SOME EMINENT PASTORS OF THE PUNJAB CHURCH.

149

مشاہیر کلیسیا

خُداوند مسیح کے نورتن

یا

کلیسیائے پنجاب کے چند نامور پاسبان

مؤلفہ

پادری اے ٹھاکرداس صاحب ایم۔اے

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی۔لاہور

تعداد ۵۰۰ ۱۹۴۵ء بار دوم

The Punjab Religious Book Society.
Anarkali, Lahore.

749

EMINENT CHRISTIANS

SOME EMINENT PASTORS OF THE PUNJAB CHURCH.

مشاہیر کلیسیا

خداوند مسیح کے نورتن

یا

کلیسیائے پنجاب کے چند نامور پاسبان

مؤلفہ

پادری اے ٹھاکرداس صاحب ایم۔ اے

پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

۱۹۲۵ء

تعداد ۵۰۰ | بار دوم

The Punjab Religious Book Society,
Anarkali, Lahore.

پیش لفظ

خیال تھا کہ اسی کتاب میں ایک دو ابواب کا اور اضافہ کر کے چند ایک اور بزرگوں کے حالاتِ زندگی بھی درج کر دئے جاتے جو ان بزرگوں کی طرح ہمارے ہندوستانی کلیسیا کے معمار تھے۔ مگر ضخامت کا خدشہ دامنگیر تھا۔ اُمیدوار ہوں کہ اگر زمانے نے مہلت دی اور مصرُوفیت سدِ راہ نہ ہوئی تو اسی سلسلے کے حصہ دوم میں ان بزرگوں کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کر کے ہدیۂ شائقین کرونگا +

بزرگانِ ملت کی زندگیاں قوم کا سرمایہ اور آنے والی نسلوں کا فخر ہوا کرتی ہیں۔ دُنیا میں کلیسیا ہی وہ جماعت ہے جسے بخششِ الٰہی نے ہر زمانہ اور ہر مُلک میں وہ گوہرِ نایاب عطا کئے۔ جو بنی آدم کا فخر اور حضورِ خُداوندی کے لائق تحفے تھے۔ خُدا کا شکر ہے کہ اس نے پنجاب کو بے گواہ نہیں چھوڑا اور اسی آب و گل سے ایسی شخصیتوں کو دعوت دی۔ جن کا مشغلہ اپنے محبوب خُداوند کی بشارت تھی۔ توقع کی جاتی ہے۔ کہ یہ کتاب کسی حد تک اپنے مقصد کو پورا کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔ پنجاب ابھی تک تشنۂ انجیل ہے۔ اور اس خطے کے رہنے والے ابھی تک اپنے مربی اور منجی خُداوند سے بے بہرہ ہیں۔ اور ہم پر یہ فرض ہے۔ کہ جو امانت ہمیں حضورِ خُداوندی سے سپرد ہوئی ہے۔ اُسے دوسروں تک پہنچائیں +

خُداوند اپنے عزیز نام کی خاطر ہمیں یہ توفیق عطا کرے۔ آمین +

اے ٹھاکر داس
نولکھا چرچ

لاہور
۸ر اگست ۱۹۴۴ء

اتحاد پریس بل روڈ۔ لاہور میں باہتمام مسٹر الف۔ ڈی سیکرٹری پرنٹر پبلشر چھپکر پی۔ بی۔ ایل لاہور سے شائع کیا

دیباچہ

ایک انگریزی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ بزرگوں کے حالاتِ زندگی ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ ہم بھی اپنی زندگیوں کو ان کی طرح شاندار بنا سکتے ہیں۔ اور اس دارِ فانی سے کوچ کرتے ہوئے دورِ زمانہ کی ریت پر اپنے قدموں کے نشان چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ تواریخ کلیسیا ان قیمتی اور عظیم الشان ہستیوں کی شاہد ہے جنہوں نے اپنی مسیحیانہ زندگیوں سے مسیحی کلیسیا تعمیر کی ہے۔ اگرچہ پنجاب کی کلیسیا غریب اور مقابلتاً چھوٹی کلیسیا ہے۔ لیکن جب اُن وفادار اور باایمان بزرگوں پر نظر پڑتی ہے جنہوں نے اپنے خون سے پنجابی کلیسیا کو یہاں تک پہنچایا ہے۔ تو ہم پر انکشاف ہوتا ہے۔ کہ پنجابی کلیسیا ایک بیش قیمت اور بے مثل خزانے کی مالک ہے۔ لاہور پریسبیٹیرین کلیسیا کے مائہ ناز پاسبان پادری اے ٹھاکر داس صاحب نے اس چھوٹی سی کتاب میں کلیسیائے پنجاب کے چند گذشتہ بزرگوں کے حالاتِ زندگی لکھ کر ساری کلیسیا پر احسان کیا ہے۔

یہ کتاب پیش خیمہ ہے اور اگر خُداوند کی مرضی ہوئی تو دیگر مشاہیر کلیسیا کی سوانح عمریاں بھی اسی سلسلے میں شائع کی جائینگی۔ یہ سلسلہ پنجاب کرسچین کونسل کی مجلس ادبیات و لٹریچر کمیٹی کے ایما سے تیار کیا جا رہا ہے۔ اور ان کتابوں کے شائع کرنے کا بیڑا پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی نے اٹھایا ہے۔ اور انڈین لٹریچر فنڈ کی طرف سے سوسائٹی کو قدرے مالی امداد دی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ یہ مطبوعات نوجوانانِ کلیسیا کے لئے رہبری کا کام دینگی اور وہ گذشتہ بزرگوں کی طرح کلیسیائی خدمت اور اس کی ترقی کے لئے قربانی کرنے سے دریغ نہ کرینگے۔

لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۳۰ء

بی۔ ایل۔ رلیا رام
ناظم لٹریچر کمیٹی۔ پنجاب کرسچین کونسل

مسیح کے نورتن

پادری عماد الدین ڈی۔ڈی

شہر قردلی کے قریب ایک خوبصورت پہاڑی واقع ہے جس میں سے ایک پانی کی ندی پتھروں کے ساتھ کھیلتی اور گاتی ہوئی بہتی جا رہی ہے اسے چولیدا ندی کہتے ہیں۔ یہ سنسان مقام دنیا والوں کی بھیڑ بھاڑ سے بہت دور ہے۔ پانی کی روانی۔ کوہسار کی ویرانی۔ سطح زمین کے عارفانہ سکوت اور سرسبز درختوں کی وجدانی کیفیت نے ایک معرفت خیز فضا پیدا کر دی ہے۔ اس ندی کے کنارے ایک پتھر کے سایہ میں ایک جوگی گیروے رنگ کا نادوختہ کپڑا پہنے آسن جمائے بیٹھا ہے۔ زبان بند ہے ہونٹوں پر قفل ہے۔ آنکھیں کسی جلوہ بے حجاب کی طرف اٹھ کر حیرت اور استعجاب کے عالم میں محو ہیں۔ جوش تصوف نے خون میں سیماب کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ خاموشی اور سکوت کا یہ عالم ہے کہ روح خود بخود اپنے خالق ذوالجلال کی طرف راغب ہو رہی ہے۔ نزدیک ہی ایک بوسیدہ کتاب پڑی ہے جس میں تصوف کی تعلیمیں۔ حزب البحر کا ختم اور درد وظائف کے اطوار لکھے ہیں۔ دفعتاً اس شخص کے ہونٹ ہل گئے اور آواز بلند تین بار ایک دعا کا اعادہ کیا۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور برہنہ پا جا کر تھوڑی سی

کرنے والی ہیں نے نہیں پائی۔۔۔ دُنیا کے لوگوں نے طرح طرح کے دُکھ میرے دل کو پہنچائے۔۔۔ اس جہان کی خوشیوں نے بھی کئی بار آگھیرا۔۔۔ پر کسی چیز کی طاقت نہ ہوئی کہ اُس خوشی کو جو مَیں نے مسیح سے پائی ہے ذرا کوئی جُنبش تو دے سکے" +

سوم۔ جس قدر مسیح کی شناخت بڑھتی جاتی ہے۔اُسی قدر اپنی شناخت بھی بڑھتی جاتی ہے +

چہارم۔ مسیح کی شناخت مؤثر ہے۔جس قدر شناخت بڑھتی ہے۔اُسی قدر اپنی حالت تبدیل پائی جاتی ہے +

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com
yesmicheal@yahoo.co.uk
Evenglist Yousaf Masih.
Cell # 92 300 7233 853.

پادری کالی چرن چیٹرجی ڈی۔ڈی

١٨٦٠ء کے اکتوبر کے مہینے میں ایک دن ایسا آیا کہ شہر کلکتہ کے فری چرچ کالج پر رنج و الم کے سیاہ بادل محیط ہو گئے۔آج اس مسکن تعلیم و اخلاق پر موت کا تفرقہ پرداز ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آرہا ہے اس کالج کے سرتاج اور ہر دلعزیز پروفیسر ڈاکٹر ڈیوڈ ایورٹ اچانک مرض ہیضہ میں مبتلا ہو کر اپنے پیارے طلباء کو آخری الوداع کہہ کر چل دیئے ان کے جسم کو آراستہ کر کے ایک خوبصورت پلنگ اور شاہانہ بستر پر لٹا دیا گیا۔کوئی ہنگامہ خیز اجتماع نہ تھا۔آہ و بکا کی کوئی جگر خراش آواز سنائی نہ دیتی تھی۔تاہم نوجوان متحیر چہروں کے ساتھ پلنگ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔جن کی اشکبار آنکھیں بتا رہی تھیں۔کہ باقی تمام عمر ان کے زخم خوردہ دلوں پر مرحوم کی یاد عزیز نمک پاشی کیا کرے گی۔کمرہ میں دھیما سا چراغ جل رہا ہے۔عطر کی خوشبو سے ہوا بوجھل ہو رہی ہے۔باہر خاموشیِ شب میں ستارے ٹمٹما رہے ہیں۔دفعتاً ان نوجوانوں میں سے ایک اپنی جگہ سے اُٹھا اور دبے پاؤں کمرہ سے باہر نکل گیا۔اس کا لمبا قد۔مضبوط سینہ۔شربتی آنکھیں اور بستہ لب بتا رہے ہیں کہ یہ کوئی معمولی جوان نہیں۔کمرہ سے نکل کر اس نے چند قدم بڑے استقلال کے ساتھ آگے بڑھنے اور

کچھ فاصلہ پر جا کر گھٹنے ٹیک لئے اور زار زار رونے لگا۔ آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور سسکیاں لیتے ہوئے یہ الفاظ مُنہ سے نکالے۔ "اے خُداوند میں اپنا نہیں ہوں بلکہ بڑے داموں سے خریدا گیا ہوں۔ میرا جسم اور رُوح تیرے ہیں مجھے اپنے جلال کے لئے استعمال کر"۔ کالی چرن چیٹرجی نے اپنے گُرو کے بسترِ مرگ سے چند قدموں کے فاصلہ پر خُداوند مسیح کے ساتھ یہ وعدہ کیا اور تمام عمر اُسے نہ بھولا چھ سال کا عرصہ گذر چکا تھا کہ اس نے کلکتہ میں آکر انہیں ڈاکٹر ڈیوڈ ایورٹ کے ہاتھ سے خُداوند مسیح کے نام پر بپتسمہ لیا تھا +

کالی چرن چیٹرجی کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر دریائے ہُگلی کے کنارے سکھ چار نام گاؤں میں ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ہری رام چیٹرجی ایک اعلےٰ خاندان کے رادھیا برہمن تھے۔ ان کے آباؤ اجداد اُن پانچ برہمنوں کی اولاد میں سے تھے۔ جنہیں نویں صدی میں راجہ ادھیسر قنوج سے بنگال میں لائے۔ رادھیا برہمنوں کے پانچ خاندانوں کے موجودہ نام حسب ذیل ہیں۔ مکرجی۔ بینرجی۔ چیٹرجی۔ گنگولی اور گھوسل۔ ان خاندانوں کے شرکار آج تک بنگال میں اُتم برہمن گردانے جاتے ہیں +

ہری رام چیٹرجی سوبھا بازار کے راجہ کی جاگیر کے منتظم تھے اور عدم فرصتی کے باعث بہت سا وقت اپنے گھر سے باہر کاٹتے تھے۔ ان کی اہلیہ کو بھی گھر کے کام کاج سے فراغت حاصل نہ ہوتی تھی۔ لہذا کالی چرن

کی تعلیم اور تربیت ان کی ایک خالہ کے سپرد ہوئی جو بچپن ہی سے بیوہ ہو چکی تھیں اور انہیں کے گھر میں پناہ گزیں تھیں۔ کالی چرن کو اپنی خالہ سے دلی اُنس تھا۔ اِن ایام طفولیت میں اس معزز خاتون کی صُحبت اور رِفاقت کا اُن کی طبیعت پر بڑا گہرا اثر ہوا اور بعد ازاں اپنی تمام مُدت حیات میں جب بھی اُن کی خالہ کا ذکر چلتا تو یہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ اظہارِ امتنان کیا کرتے تھے۔ بچپن ہی میں کالی چرن کو اہل ہنود کی دینی تعلیمیں مہابھارت اور راماین کی کہانیاں ازبر ہو گئیں۔ اس خُدا ترس معلمہ نے اپنے خاندان کے اس سرمایۂ ناز کی تعلیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا +

پانچ برس کی عمر میں کالی چرن وہیں کے دیہاتی مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں معمولی لکھنا پڑھنا سیکھا۔ آٹھ برس کی عمر میں زبان انگریزی کی تحصیل کے لئے انہیں اگرپرہ میں سی۔ ایم۔ ایس کے سکول میں داخل کیا گیا۔ یہ مدرسہ ان کے گھر سے قریباً دو میل کے فاصلے پر تھا۔ اور یہاں کے ہیڈ ماسٹر بابو گورو چرن بوس ایک غیرت مند مسیحی تھے ان کے علاوہ نو مسیحی اُستاد اور تھے جن کی زندگیوں سے کئی ایک طلبا متاثر ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کالی چرن خُداوند یسوع مسیح کا اپنے دیوتاؤں کے ساتھ مقابلہ کرنے لگے۔ اور بڑے غور سے بائبل کا مطالعہ شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ خداوند یسوع کی مقدس شخصیت کا سکہ ان کے دل میں جم گیا اور اُسی کی تعلیموں کو اپنی زندگی کا دستورِ عمل بنانے لگے۔ انہیں دنوں میں بائبل کے امتحان میں کل مدرسہ میں اوّل درجہ حاصل

گیا۔ اور اُس کے صلہ میں ایک نہایت خوبصورت بائبل انہیں بطور انعام دی گئی۔ اس بائبل کو کالی چرن اور اُن کے تین دوستوں نے مل کر پڑھنا شروع کیا اور یہ دُعا کرنے لگے کہ خُدا ان پر سچائی کو ظاہر کرے۔ پاک کلام کے بعض مقامات نے اِن نوجوان حق پرستوں کو موہ لیا ؂

"جو گُناہ سے واقف نہ تھا۔ اُسی کو اُس نے ہمارے واسطے گُناہ ٹھہرایا تاکہ ہم اُس میں ہو کر خُدا کی راستبازی ہو جائیں"۔ ۲ قرنتی ۵ : ۲۱۔

"وہ آپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لئے ہوئے صلیب پر چڑھ گیا۔ تاکہ ہم گناہوں کے اعتبار سے مر کر راستبازی کے اعتبار سے جئیں۔ اور اُسی کے مار کھانے سے تُم نے شفا پائی"۔ ۱ پطرس ۲ : ۲۴ ؂

"ابن آدم اس لئے نہیں لیا کہ خدمت لے بلکہ خدمت کرے۔ اور اپنی جان بہتیروں کے بدلے فدیہ میں دے"۔ متی ۲۰ : ۲۸

اس مطالعہ اور باہمی غور و فکر کی نسبت وہ خود لکھتے ہیں۔ کہ شروع میں اس قسم کے مقامات پڑھ کر ان کو ٹھوکر لگی۔ خُداوند یسوع کی تعظیم تو ان کے دلوں میں تھی۔ لیکن اب تک یہ اس کو محض گرو یا ہادی تسلیم کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن جب اُنہوں نے رومی ۵ : ۸ کو پڑھا اور اس پر غور کیا۔ تو اُن کے دل میں سے تمام شکوک دُور ہو گئے ؂

لیکن خُدا اپنی محبت کی خوبی ہم پر یوں ظاہر کرتا ہے۔ کہ جب ہم گنہگار ہی تھے۔ تو مسیح ہماری خاطر مُوا ؂

اس آیت کو پڑھ کر اُنہوں نے بلا تامل اسے اپنا نجات دینے والا

قبول کیا اور گھٹنے ٹیک کر خُدا کا شکریہ ادا کیا۔ اب اُنہوں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ اپنے اس ایمان کا اعلانیہ اقرار کریں گے۔ لیکن یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مشکلات کا ایک پہاڑ اُن کے سامنے آ کھڑا ہُوا ؂

عین اسی وقت اس مدرسہ کے ایک طالب علم نے جو عمر میں ان سے قدرے بڑا تھا بپتسمہ لیا۔ اور چاروں طرف سے مصیبتوں کی بوچھاڑ اُس کے اُوپر شروع ہو گئی۔ والدین نے گھر سے نکال دیا۔ دوستوں اور عزیزوں نے مُنہ پھیر لیا۔ دشنام اور طعنہ زنی نے اُس کا وہ درجہ کر دیا جو کسی اچھوت کا ہوتا ہے۔ اس دُکھ اور مصیبت کا صرف وہی اندازہ لگا سکتے ہیں جو خود ان باتوں سے گذرے ہوں۔ آخرش انسانیت مغلوب ہو گئی۔ اور یہ نوجوان خُداوند مسیح کا انکار کر کے پھر اپنی برادری میں جا ملا۔ یہ ماجرا دیکھ کر کالی چرن چیٹرجی کا دل دہل گیا۔ اور یہ سوچنے لگے۔ کہ کہیں میرے ساتھ بھی ایسا نہ ہو کہ میں بھی اپنے خُداوند کا انکار کروں۔ اس وقت اُن کے سامنے وہ آزمائش آئی جس نے بہتوں کو ایسے کٹھن وقت میں مغلوب کر لیا یعنی کہ خُفیہ طور پر خُداوند مسیح کے شاگرد رہیں لیکن دُنیا کے سامنے اس کا اقرار نہ کریں۔ مگر اس خیال سے ان کو تسلی حاصل نہ ہوئی۔ خُداوند یسوع کے وہ الفاظ کانوں میں بجتے تھے۔ کہ جو کوئی آدمیوں کے سامنے میرا اقرار کرے۔ ابن آدم بھی خُدا کے فرشتوں کے سامنے اس کا اقرار کریگا۔ مگر جو آدمیوں کے سامنے میرا انکار کرے۔ خُدا کے

فرشتوں کے سامنے اُس کا انکار کیا جائیگا۔" اس فتح بخشنے والے خُداوند نے کالی چرن کو بھی فتح دی۔ اور انہوں نے بمعہ اپنے ساتھیوں کے فیصلہ کیا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم اپنے خُداوند کے نام کا بپتسمہ لینگے۔ صلاح مشورہ کے بعد یہ تجویز ٹھہرائی کہ اگرپرہ چھوڑ کر کلکتہ کے کرسچن کالج میں داخل ہو جائیں۔ اور وہاں ڈاکٹر ڈف اور اُن کے معاونین کے زیر سایہ اپنی اس دلی آرزو کو پُورا کریں۔ چنانچہ یہ چاروں دوست اپنے والدین اور رشتہ داروں کو سمجھا بجھا کر ۱۸۵۱ء کے شروع میں کلکتہ میں چلے گئے۔ اور وہاں اُس مدرسہ میں داخل ہو گئے جو کرسچن کالج کا ایک حصّہ ہے۔ اسی سال اکتوبر کے مہینے میں عین درگا پوجا کے موقع پر کالی چرن نے اپنے والد سے صاف کہہ دیا۔ کہ اُن کا ارادہ مسیحی ہونے کا ہے۔ اور دُرگا پوجا کی رسُومات میں حصّہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس خبر کے سُنتے ہی باپ کا دل اندر ہی اندر بیٹھ گیا۔ تیوہار کی خوشی غم سے مبدّل ہو گئی۔ اس کی بہشت میں سانپ آ گھسا۔ اور پھر نہایت غصّہ میں ایک مجروح جانور کی جگہ جو زندان خانہ میں بند ہو۔ ادھر اُدھر پھرنے لگا۔ بہت دھمکیاں دیں۔ بہت ڈرایا۔ لیکن ان تمام باتوں کا اُس شیر دل نوجوان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ تو اپنے دل کا فیصلہ کر چُکا تھا۔ اگلے مہینے کی آٹھویں تاریخ کو کلکتہ شہر کے فری چرچ میں جا کر اُنہوں نے ڈاکٹر ڈیوڈ ایورٹ کے ہاتھ سے جن کا بیان اُوپر ہو چُکا ہے بپتسمہ لیا اور پھر کبھی اپنے گھر کی طرف رُخ نہ کیا۔ اس وقت سے ڈاکٹر ایورٹ اور کالی چرن کے

درمیان گُرو اور چیلے کا تعلق پیدا ہو گیا۔ شروع ہی سے کسی نامعلوم جذبے کے ماتحت پہلی ہی نظر میں اس بزرگ کی محبت کالی چرن کے دل میں گھر کر گئی۔ وہ تمام خوبیاں جن کی انہیں آرزو ہُوا کرتی تھی۔ وہ تمام صفات جن کے خواب یہ دیکھا کرتے تھے۔ اس ایک بزرگ کی ذات میں مجتمع مل گئیں۔ ابھی جوانی کا آغاز تھا۔ ابھی آنکھ کھول کر دُنیا کا کچھ نہ دیکھا تھا کہ اپنی راحت و آرام کی زندگی۔ اپنے عزیز و اقارب کی محبت و شفقت کو چھوڑ کر اس گوشۂ تنہائی میں آ گئے اور یہیں کے ہو رہے۔ جو اثر ڈاکٹر ایورٹ کی زندگی کا اس طالب علمی کے زمانہ میں ان کی شخصیت پر ہُوا۔ اُس کا نتیجہ ان کی باقی ماندہ زندگی اور خدمت سے اظہر ہے ✣

اگرپرہ کا سکول چھوڑے دو سال ہو گئے۔ کالی چرن نے انٹرنیس کا امتحان دیا۔ اور ایسی نمایاں کامیابی حاصل کی کہ آٹھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ حاصل کیا۔ کالج میں داخل ہو کر بھی اپنی لیاقت اور قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔ تعلیم نسواں پر جواب مضمون لکھ کر ایک چاندی کا تمغہ حاصل کیا۔ کلاسک سیکشن کے ایک سو سوالات کے جوابات لکھ کر آٹھ روپیہ ماہوار کا ایک اور وظیفہ حاصل کیا۔ طالب علم کی حیثیت ہی میں انٹرنیس کی جماعت کو انگریزی علم ادب پڑھانے لگے۔ لیکن اپنی تعلیم ختم کرنے نہ پائے تھے۔ کہ چند ایک ایسے واقعات پیش آئے۔ جن کی وجہ سے انہوں نے کلکتہ کو الوداع کہا اور اپنی ناولوم کو چھوڑ

کر شمال مغرب کا رُخ کیا ٭

اس وقت اس مشن میں ایک ایسا بحث طلب سوال پیش ہوا۔ جس کی وجہ سے ہندوستانی خادمانِ دین اور بدیشی مشنریوں کے درمیان کچھ کشمکش سی پیدا ہو گئی۔ تین ہندوستانی خادمانِ دین کی یہ رائے تھی کہ مشن کی دینی خدمت میں ہندوستانیوں کو بھی وہی درجہ اور ذمہ داری حاصل ہونی چاہیئے۔ جو بدیشی مشنریوں کے حصّہ میں ہے۔ کُل خادمانِ دین بحیثیتِ خدمت برابر ہیں۔ لہٰذا کسی قسم کا قومی امتیاز جائز نہیں۔ کالج کے ہندوستانی طلبار نے بھی اپنے خادمانِ دین کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا۔ خصوصاً کالی چرن نے جس کے دل میں زندگی کی لہریں پورے جوش سے متلاطم تھیں۔ شدتِ احساس کے باعث بڑے زور کے ساتھ ان کی تائید کی۔ اور اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اس مشن سے علیحدہ ہو کر کہیں اور کام اختیار کیا جائے۔ خواہ معمولی مدرس کی حیثیت میں ہی خدمت کرنی پڑے ٭

انہیں دنوں یعنی اکتوبر ۱۸۶۱ء میں شہر جالندھر کے پادری گولکناتھ صاحب کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے کالی چرن کو دعوت دی کہ جالندھر میں آ کر وہاں کے مشن سکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر خدمت کریں۔ اس ملفوف خط کے پڑھتے ہی کالی چرن نے فرطِ انبساط سے اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کیا؛ ور بہت دُعا کے بعد اس فیصلہ پر پہنچے کہ یہ غیر متوقع دعوت خُدا کی طرف سے ہے چنانچہ

معاً شہر کلکتہ سے روانہ ہوئے اور ہمارے دوآبہ کے سرسبز میدانوں میں آ کر ڈیرا کیا ٭

ان کی زیرِ نگرانی جالندھر مشن سکول نے نمایاں ترقی حاصل کی۔ تین ہی سال کے عرصہ میں طلبار کا شمار بہت بڑھ گیا اور مدرسہ میں درجہ انٹرنس کی تعلیم شروع ہو گئی۔ پنجاب میں سب سے پہلے ۱۸۶۵ء میں انٹرنس کا امتحان شروع ہوا۔ اور اُس سال جالندھر مشن سکول سے چار طلبار اس امتحان میں بیٹھے۔ جن میں سے دو کامیاب ہوئے۔ ان دو میں سے ایک جارج سالومن لوئس تھے جو بعد میں سیشن جج کے عہدہ پر ممتاز ہوئے ٭

پادری گولکناتھ صاحب جنہوں نے کالی چرن کو جالندھر میں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس نوجوان کی سرگرمی اور دانائی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ ان کو اپنی فرزندیت میں قبول کر لیا۔ اور ۱۸۶۳ء میں اپنی دختر نیک اختر بنام میری کے ساتھ ان کا بیاہ کر دیا۔ اس وقت سے کالی چرن چیٹرجی کی زندگی میں ایک نہایت مبارک زمانہ شروع ہوتا ہے۔ ان دو پھولوں کی خوشبو سے پنجاب معطر ہو گیا۔ چون سال تک یہ دونوں مل کر خُداوند کی خدمت کرتے رہے۔ جہاں پیچھے ایسی مضبوط یادگاریں چھوڑیں جو رہتی دُنیا تک برقرار رہینگی۔ ہندوستانی مسیحیت کی تاریخ میں ان کے پایہ کی شخصیتیں انگلیوں پر نہیں گنی جا سکتیں۔ یہ وہ چمکتے ہوئے موتی ہیں جنھوں نے مغرب

والوں کی نظر میں مشرق کی، اور خصوصاً ہندوستان کی وقعت بڑھا دی ؞

وہاں ایسے بھی ہیں کچھ ماہ پارے کہ شرما جائیں جن سے چاند تارے
زمین میں آسمان شامل وہیں ہے

بحیثیت اُستاد ان کی تنخواہ نہایت قلیل تھی۔ گھر کا خرچ بمشکل چلتا تھا۔ شادی کے بعد ہی ان کو گوجرانوالہ اور ہوشیارپور کے سرکاری سکولوں میں بعہدۂ ہیڈماسٹر کام کرنے کی دعوت ملی۔ جہاں آمدنی زیادہ تھی۔ اور آئندہ ترقی اور پنشن کا انتظام بھی تھا۔ کالی چرن ترازو میں تولے گئے۔ اور پورے اُترے۔ ایک موقع پر گھر میں صلاح مشورہ کے بعد فیصلہ کر لیا کہ سرکاری ملازمت اختیار کر لی جائے۔ اور اس طرح آنادانہ طور پر خداوندگی خدمت انجام دی جائے۔ چنانچہ چلنے کی پوری تیار کر لی۔ بستر بوریا سب باندھ لیا۔ آخری دن مکان کے سامنے گاڑی آکھڑی ہوئی۔ اور اسباب وغیرہ سب اس لاد دیا گیا۔ آخری لمحہ پر ان کی اہلیہ کہنے لگیں "مجھے تسلی نہیں۔ چلو ہم گھر کے اندر چل کر دُعا مانگیں۔" میاں بیوی دونوں خالی مکان کے اندر داخل ہوئے اور خدا کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اُس کی مرضی کے جویاں ہوئے۔ دُعا کرنے کے بعد دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے "ہم نہیں جائینگے۔ خدا نے ہم کو یہاں رکھا ہے۔ اور وہ خود ہی ہماری پرورش بھی کریگا۔ ہم اُس پر اپنا بھروسہ رکھینگے۔" یہ کہہ کر اسباب وغیرہ مکان کے اندر

واپس منگوالیا ؞

۱۸۶۵ء میں امریکن پریسبٹیرین مشن کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ لاہور کے مشن سکول میں کالج کی جماعتیں بھی شروع کی جائیں۔ اِس وقت پادری سی۔ ڈبلیو فورمن سکول اور کالج دونوں کے منتظم تھے۔ ان کی طرف سے کالی چرن کو دعوت دی گئی۔ کہ لاہور میں آکر کالج میں ریاضی اور فلسفہ کے پروفیسر ہوں۔ اُنہوں نے بڑی شکرگزاری کے ساتھ اس دعوت کو قبول کیا اور شہر لاہور میں آکر خدمت کرنے لگے ؞

انہی ایام میں کالی چرن چیٹرجی کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا۔ کہ اپنی زندگی خاص طور پر بشارتی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر اُنہوں نے الٰہیات کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پادری جان نیوٹن اور پادری ڈبلیو۔ جے۔ پی۔ ماریسن کی سنگت میں بیٹھ کر علم الٰہی یونانی اور دیگر مضامین سیکھنے لگے۔ تیاری حاصل کرنے کے بعد ۱۸۶۸ء میں ان کا امتحان لیا گیا۔ اور رسم تقرری ادا کرنے پر ان کو خادم الدین کے عہدے پر ممتاز کیا گیا۔ اسی سال ہوشیارپور کے نئے علاقہ میں خاص بشارتی خدمت کے لئے بھیجے گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اور بعد میں ثابت بھی ہو گیا کہ خداوند نے یہ نیا دروازہ کالی چرن ہی کے لئے کھولا تھا جو کام اُنہوں نے ہوشیارپور میں انجام دئے۔ اُن کی تفصیل بیان کرنے کیلئے دفتروں کے دفتر چاہئیں۔ بشارتی خدمت میں جو کامیابی انہیں اونچی ذات والے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حاصل ہوئی وہ آج تک

پنجاب میں کسی مبشر یا بدیشی کو نصیب نہ ہوئی ÷

ان کی بے لوث محبت اور ہمدردی نے سب کو مغلوب کرلیا۔ جہاں جاتے تھے فتح کا ڈنکا بجتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں اُنتیس خاندانوں نے خُداوند کے نام کا بپتسمہ لیا۔ کُل ضلع میں ایک تحریک سی پیدا ہو گئی اور سینکڑوں خُداوند کے جھنڈے تلے آ گئے۔ آج کل خدمت میں ایسے نتائج پیدا نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ہماری ہمدردی اور سلوک اکثر مصنوعی سا ہُوا کرتا ہے ؎

خُدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اُس کا بندہ بنونگا جس کو
خُدا کے بندوں سے پیار ہوگا

دیکھتے ہی دیکھتے پانچ باقاعدہ کلیسیائیں قائم ہوگئیں۔ اور مسیحیوں کا شمار تین ہزار تک پہنچ گیا۔ خاص ہوشیارپور میں مشن کی طرف سے زمین خرید کر شہر میں مستورات کے لئے ایک شفاخانہ بنوایا۔ عوام کے لئے کتب خانہ کھولا۔ مسیحیوں کی رہائش کے لئے ایک وسیع احاطہ بنایا جس میں ایک یتیم خانہ اور دیگر عالیشان عمارتیں بنوائیں۔ اس تمام دوڑ دھوپ کے علاوہ بشپ صاحب کی دعوت پر آپ نے وہاں کے انگریزی گرجا میں عبادت کرانی شروع کی جس کی وجہ سے انگریزی افسران کے درمیان آپ کو بہت رسوخ حاصل ہو

گیا جو عزّت اور شہرت کالی چرن چیٹرجی نے ہندوستان اور دیگر ممالک میں حاصل کی بہت تھوڑے ہندوستانی خادمانِ دین کے حصّے میں آئی ہے ÷

۱۸۸۹ء میں آپ فورمن کرسچن کالج کی بورڈ آف ڈائرکٹرز کے پریذیڈنٹ چُنے گئے۔ اور قریباً ۳۰ سال تک متواتر اس عہدے پر ممتاز رہے۔ اس کے بعد دوسرے ہی سال میں اپنی بیٹی کے ساتھ امریکہ تشریف لے گئے اور قریباً پانچ ماہ تک وہاں رہے۔ ۱۹۰۱ء میں سرکار انگریزی کی طرف سے انہیں قیصرِ ہند کا تمغہ عطا کیا گیا۔ اسی سال آپ کو امریکہ کے واشنگٹن اور جیفرسن کالج کی طرف سے ڈاکٹر آف ڈوینٹی یعنی حکیم علم الٰہی کی ڈگری ملی۔ نو سال کے بعد یہی ڈگری آپ کو ایڈنبرا یونیورسٹی کی طرف سے عطا کی گئی۔ ہم ہندوستانیوں کو آج اس بات کا فخر حاصل ہے۔ کہ اس موقع پر ان کے ساتھ یہی ڈگری حاصل کرنے والے دو شخص اور تھے۔ یعنی لارڈ بشپ آف کینٹربری اور امریکہ کے مشہور و معروف ڈاکٹر ای سپیئر صاحب ÷

ہندوستانی پریسبیٹیرین کلیسیا نے بھی انہیں بڑے فخر کے ساتھ اپنی جنرل اسمبلی کا ماڈریٹر منتخب کیا ÷

اب وقت آگیا۔ کہ ڈاکٹر کالی چرن چیٹرجی اپنی دوڑ کو ختم کریں۔ ۱۹۱۲ء
میں آپ نے امریکن پریسبیٹیرین مشن سے درخواست کی کہ ان کو خدمت سے سبکدوش کیا جائے۔ چنانچہ مشن نے ان کی درخواست کو منظور فرمایا۔ اور بھاولپور میں ان کی سکونت کا پورا پورا انتظام کردیا۔ خُداوند کو منظور نہ

تھا کہ یہ جلیل القدر شخصیت اب اور زیادہ محنت و مشقت اُٹھائے چنانچہ ۳۱ مئی ۱۹۱۶ء کو آپ اپنے ابدی آرام میں داخل ہو گئے۔ ان کا جسم ہوشیارپور ہی کی زمین کے سپرد کیا گیا۔ جنازہ کے موقع پر ایک اژدحام کثیر جمع تھا جس کی شرکت و عظمت کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا۔ کہ یہ جلوس کسی تہوار کی تقریب پر آراستہ کیا گیا ہے۔ دیسی اور بدیشی مسیحی اور غیر مسیحی سب کے سب اپنے عزیز کو الوداع کہنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ہر ایک آنکھ میں آنسو اور ہر ایک زبان پر صد آفرین تھا ۞

ڈاکٹر چیٹر جی چلے گئے اور ان کے جاتے پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صوبہ پنجاب کی مسیحی کلیسیا یتیم ہو گئی۔ ان کی ایماندارانہ روش مخلصانہ طبیعت اور فراست کے باعث چھوٹے بڑے سب صلاح لینے کیلئے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ دیکھنے والے کہا کرتے تھے کہ ان کے چہرے پر نور برستا ہے۔ دراز قد۔ پاکیزہ سفید ریش موزوں خط و خال کی وجہ سے ان کے انداز میں تدبر و تفکر کا ایک ایسا پہلو شامل تھا جس کا بیان لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔ آنکھیں ہو جھائے حیات سے لبریز رہتی تھیں آواز میں بیحد ترنم اور دلکشی تھی۔ دماغ دیتی اور ذہین رمُوز کے سمجھنے اور سمجھانے میں مشاق تھا۔ اپنی رائے بہت سوچ بچار کے بعد دیا کرتے تھے واقعی ہر پہلو سے اس قابل تھے کہ انہیں ہندوستانی کلیسیا کا شہزادہ کہا جائے ۞

دُنیا کی وہ خوش نصیب ہستیاں جن کو مسیح کے قربت میں رہنے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ نور کی دُنیا میں بستی ہیں۔ جہاں کہیں جاتی ہیں نُور برساتی ہیں اور منوّر کرتی ہیں ۞

پادری وارث الدّین ایم۔ بی۔ ای

قصبہ ناروال ضلع سیالکوٹ کے ایک بازار میں ایک نوجوان اپنی دھن میں چہل قدمی کرتا ہوا جا رہا تھا۔ ذرا فاصلہ پر ایک اور نوجوان خوب تیز رفتاری کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔ بازار ختم ہونے پر ہندوؤں کا محلہ سامنے آ گیا۔ اور پہلا نوجوان اس طرف گھوم گیا۔ دوسرے نے موقع غنیمت سمجھ کر دوسری گلی سے چکر کاٹ کر سرپٹ دوڑنا شروع کیا۔ اور آن کی آن میں اپنے شکار کے بالمقابل جا ڈٹا۔ چند لمحوں کے لئے دونوں نوجوان ایک دوسرے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہے۔ اور پھر گلے لگ کر اس طرح ملے گویا برسوں کے بچھڑے ہوئے ہیں ۞

تعاقب کنندہ: بیٹا تو وارث تمہارے ایمان کا کیا حال ہے؟

وارث: بھائی رحمت۔ ایمان قائم ہے۔

تعاقب کنندہ کا نام رحمت مسیح ہے۔ مگر پہلے رحمت علی تھا۔ علی کی رحمت سے برگ سے نکل کر اب زندہ مسیح کی رحمت کے سایہ تلے آ گئے تھے۔ اور اُس کے نام کا بپتسمہ لیتے پر اپنا نام بھی تبدیل کر لیا تھا۔ اس نام نے بھی ابھی پنجاب چمکتا تھا ۞

رحمت مسیح: اب تو وقت پورا ہو گیا۔ کب واپس آؤ گے؟

وارث: مجھے تو نکلنے نہیں دیتے۔ ہر وقت آگے پیچھے لگے رہتے ہیں۔

مگر آپ پادری بیٹمن صاحب سے کہہ دیں۔ کہ سنیچر کے روز مجھے ایک گاؤں میں جانا ہے۔ سو میں اُس دن صبح گھر سے نکل کر گاؤں جانے کی بجائے فوراً صاحب کے پاس آجاؤنگا۔ پادری بیٹمن صاحب نارووال کے مشنری سادھو ہیں جنہوں نے خُداوند کے لئے سب کچھ تیاگ کر اس چھوٹے سے قصبے میں ایک کوٹھری لے رکھی ہے۔ اسی میں خود رہتے ہیں اور یہی مسیحی آشرم ہے۔

وارث جن کا پورا نام وارث علی ہے نارووال کے ایک معزز خاندان میں سے ہیں تعلیم وہیں کے مشن سکول میں ہوئی جس کے ہیڈ ماسٹر پادری بھولا ناتھ گوش ہیں۔ اور بائبل ٹیچر میاں نصرت اللہ ہیں۔ ان صاحبان کی زندگی اور تعلیم کا اثر طلبا پر کچھ ایسا ہوا کہ کئی ایک نوجوان خُداوند مسیح کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور اپنے اپنے گھروں سے بھاگ نکلے۔ رحمت مسیح نے بڑی دلیری کے ساتھ اعلانیہ خُداوند کو قبول کیا۔ ان کا نمونہ دیکھ کر ان کے دوست وارث علی کے دل میں بھی یہ اُمنگ پیدا ہوئی۔ اور اُس کو پورا کرنے کے لئے اپنے گھر سے بھاگ کر بیٹمن صاحب کے مکان پر آگئے۔ اب تو نارووال میں ایک طوفان برپا ہوگیا۔ وارث علی کی تلاش میں اُن کے والدین اور رشتہ داروں نے جہاں سر پر اُٹھا لیا۔

ایک دن صبح کے وقت بیٹمن صاحب کے مکان پر کوئی شخص پیغام لایا۔ کہ وارث کی والدہ اُن سے ملنا چاہتی ہیں۔ اور پاس ہی گنّے کے کھیت میں موجود ہیں۔ ماں کی محبت سے مجبور ہوکر وارث اُن کو ملنے کے لئے کھیت کی طرف چل پڑے۔ کھیت کے نزدیک پہنچتے ہی چند

مشٹنڈوں نے انہیں آدبوچا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہاتھوں پر اُٹھا کر بھاگ نکلے۔ بچارے بیٹمن صاحب اور اُن کے ساتھی اپنے ہاتھ ملتے رہ گئے بہت چیخے چلائے لیکن کچھ بن نہ پڑی۔ وارث کے متعلق بڑا خوف اُن کے دل میں پیدا ہوا۔ ہر طرف آدمی دوڑائے اور تلاش کی۔ لیکن کوئی سراغ نہ چلا۔ آخر لاچار ہوکر سب نے مل کر دُعا مانگنی شروع کی۔ اور ساتھ ہی پادری بیٹمن صاحب نے مذہبی آزادی کی بنا پر مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں نالش دائر کر دی۔ کچھ عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا اور پھر عدالت کی طرف سے یہ فیصلہ ہُوا کہ چونکہ ابھی تک وارث کے سن بلوغت تک پہنچنے میں ایک سال باقی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے والدین کے قبضہ میں رہیگا جو قانونی طور پر اُس کے محافظ ہیں۔

بچارے مسیحی اپنا سا منہ لے کر واپس آگئے۔ لیکن تو بھی مایوس نہ ہوئے۔ دُعا اور تلاش میں لگے رہے اور انتظار کرنے لگے کہ کب وہ ایک سال ختم ہو اور وہ وارث کو اپنے پاس لے آئیں۔ سال بھر کے اضطراب اور بے چینی کے بعد ایک روز رحمت مسیح کی اتفاقاً بازار میں وارث سے ملاقات ہوئی جس کا بیان صدر میں ہو چکا ہے۔ رحمت مسیح نے فوراً واپس جا کر بیٹمن صاحب کو خوشخبری دی کہ وارث سلامت ہے۔ اور اپنے ایمان میں قائم ہے۔ پھر کیا تھا۔ اسی وقت مسیحی محلے میں شادیانے بجنے لگے۔ اور بیٹمن صاحب نے وارث کو لانے کا انتظام شروع کیا۔ ایک دستی ملفوف خط رحمت مسیح اور اُن کے والد کے ہاتھ

ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے پاس مدد کے لئے بھیجا۔ اور دوسرے دن ہی کپتان
پولیس اور رعیہ دیپسرور کے تحصیلدار نارووال میں وارد ہو گئے +
وارث اپنے وعدے کے موافق عین صحیح وقت پر آگیا۔ اِدھر
بیٹمن صاحب کے مکان پر تمام افسران سرکاری جمع ہو گئے۔ یہ
صلاح ٹھہری کہ وارث کے والد اور دیگر رشتہ داروں کو اور شہر کے
چند رئیسوں کو یہیں بلوایا جائے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ
تمام لوگ وہاں جمع ہو گئے اور مقدمہ شروع ہو گیا۔ ان سب کو اس
امر کا خواب و خیال بھی نہ تھا کہ وارث بھی اسی جگہ موجود ہے۔ تھوڑی
سی گفتگو کے بعد وارث اُن کے روبرو پیش کیا گیا۔ اُس کو دیکھ کر
تو یہ سب ایسے حیرت زدہ ہو گئے گویا بجلی آسمان پر سے گر پڑی +
کپتان۔ (وارث سے مخاطب ہو کر) "وارث تم یہاں کیوں آئے؟
وارث۔ "مسیحی ہونے کے واسطے" +
کپتان۔ "کیا تم کو گھر میں کوئی تکلیف ہے"؟
وارث۔ "بالکل نہیں۔ مجھے تو سب پیار کرتے ہیں۔ میں بڑے
آرام سے رہتا ہوں" +
کپتان۔ "تو پھر تم کیوں عیسائی ہوتے ہو؟
وارث۔ "نجات کی خاطر۔ اسلام میں نجات نہیں۔ صرف مسیح
میں نجات ہے" +
کپتان۔ "تم پادری صاحب کے پاس رہنا چاہتے ہو یا ماں باپ کے

گھر جاؤ گے"؟
وارث۔ "مَیں پادری صاحب کے پاس رہونگا" +
کپتان۔ "کیا تم کو کسی نے کچھ لالچ دیا ہے"؟
وارث۔ "مجھ کو کسی نے کیا لالچ دینا ہے۔ میرے گھر میں سب کچھ
ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر میں آرہا ہوں۔ ماں۔ باپ۔ بھائی۔ بہن
چھوڑ رہا ہوں۔ سوائے نجات کے لالچ کے اور کوئی لالچ نہیں" +
اس کے بعد کپتان صاحب نے ان لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا
کہ کیا آپ لوگ وارث سے کوئی سوال پوچھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے
جواب دیا "اب کیا سوال کرنا ہے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ اب تک
اُس کے دل میں مسیح بیٹھا ہوا ہے" +
اس کے بعد ہی وارث علی نے خداوند کے نام بپتسمہ لیا اور اپنا
نام تبدیل کر کے وارث الدین رکھا +
انہی دنوں میں نارووال کے ایک اور شخص بنام دینا ناتھ جوت
برہمن خاندان میں سے تھے مسیحی ہو گئے۔ یہ اور وارث دونوں بہت
گہرے دوست تھے۔ اور اُن کی آپس میں بڑی محبت تھی۔ چنانچہ
بپتسمہ کے وقت وارث ہی نے اُن کی چوٹیا پر ہاتھ صاف کیا تھا لیکن
ان دونوں کے والدین اسی تاک میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح کا موقع
ملے تو انہیں عیسائیوں کے پنجے سے چھڑا لے جائیں۔ عین اسی وقت
بیٹمن صاحب کے ولایت جانے کا وقت آگیا۔ اور انہوں نے مناسب

سمجھا۔کہ ان دونو نوجوانوں کو حفاظت اور تعلیم کی غرض سے اپنے ساتھ ولایت لے جائیں۔چنانچہ وہ ان دونو کو اپنے ہمراہ انگلستان میں لے گئے۔ اور چھ ماہ تک وہاں ان کو اپنے ساتھ رکھ کر واپس ہندوستان میں لے آئے ÷

واپس آنے پر بیٹمن صاحب نے وارث کو شہر امرتسر کے ہال بازار میں ایک دُکان کھول دی۔جس کا نام کرسچن سٹور رکھا۔بیوپار تو ان کے خون میں تھا۔کیونکہ خوجہ قوم میں سے تھے۔دُکان خُوب چل نکلی۔ اور ۱۸۹۱ء میں نارووال کے معزز مسیحی خاندان میں ان کی شادی بھی ہو گئی۔مگر کچھ عرصہ کے بعد دُکان میں گھاٹا پڑنے لگا۔اور وارث الدین نے اس سے قطع تعلق کر کے امرتسر ہی میں ٹھیکہ داری کا کام شروع کیا۔ اچھی کامیابی کے ساتھ اس کو نبھایا ÷

لیکن پھر یہ بھی چھوڑا۔بابو سنت شاہ نے کلارک آباد کے متعلق کچھ ایسے سبز باغ دکھائے کہ اُن کی طبیعت اسی طرف راغب ہو گئی۔اور معاً وہاں پہنچ کر کاشتکاری شروع کی۔افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ اس کام میں اُن کو بہت نقصان ہوا۔جو کچھ پاس تھا وہ بھی برباد ہو گیا۔انہیں ایام بدبختی میں یعنی ۱۸۵۷ء میں آپ کی فرشتہ سیرت اہلیہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔دو چھوٹے معصوم بچوں کو پیچھے چھوڑ داغ مفارقت دے گئیں۔ان کی وفات کے بعد وارث الدین کا دل کلارک آباد سے اُچاٹ ہو گیا۔اور واپس نارووال میں آ گئے۔کچھ عرصہ یہاں رہ کر

اجنالہ چلے گئے اور مشنری لیڈیز کو اُردو سکھانا شروع کیا۔یہاں سے مشنری صاحبان نے ان کو مبشر بنا کر جنڈیالہ میں بھیج دیا۔جہاں پر انہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ کئی سال تک خداوند کی خدمت انجام دی۔معمولی بشارتی کام کے علاوہ ایک نائٹ سکول شروع کیا اور ساتھ ہی سٹیشنری کی ایک دُکان بھی کھول لی۔کل خدمت میں بڑی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ÷

ان دنوں میں پادری بیٹمن صاحب جھنگ بار میں کام کر رہے تھے۔انہوں نے وارث الدین کو اپنے پاس اس علاقہ میں خدمت کرنے کے لئے بُلا لیا۔جو کام ان دونو خادمان نے مل کر کیا قابلِ تحسین ہے۔ دونو اونٹوں پر چڑھ کر دیہات میں دورہ کیا کرتے تھے۔نہ سردی کی پروا نہ گرمی کی۔وہاں کے غریب مسیحیوں کو بہت سے فائدے پہنچائے۔تحصیل سمندری میں ایک قطعہ زمین مسیحیوں کی آبادی کے واسطے حاصل کیا۔اور وارث الدین کی تحریک پر اس چھوٹے سے مسیحی گاؤں کا نام بیٹمن آباد رکھا گیا ÷

آپ کا معمول تھا کہ ہر سال بہت سے مسیحیوں کو اپنے ساتھ لے کر سیالکوٹ کنونشن میں جایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اس کنونشن میں ایک نہایت عجیب اور مُبارک تجربہ ان کو حاصل ہوا۔جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔اس لئے کہ اُن کی باقی ماندہ زندگی اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئی ÷

کنونشن حسب معمول بڑے زور وشور سے ہو رہی تھی - اچھے واعظین پیغام پیش کر رہے تھے - ایک روز سکول ہال میں عبادت ہو رہی تھی - کہ دفعتہً وارث الدین نے رونا شروع کیا - روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں - جسم کانپنے لگا جو دوست پاس بیٹھے ہوئے تھے - اس کا سبب دریافت کرنے لگے - انہوں نے جواب دیا کہ " جلال کا خداوند اور فرشتوں کی فوجیں آ رہی ہیں - ہائے افسوس مجھ پر - مَیں کیا کروں " - ان کے رفیق ان کو فوراً دُعا کے کمرے میں لے گئے - وہاں پر ان کے ساتھ دُعائیں کی گئیں - اور انہیں تسلی حاصل ہوئی - بعد میں بیان کیا کہ " جس وقت میں نے خداوند کو اور فرشتوں کی فوجوں کو دیکھا تو مجھ پر ایک ایسا بوجھ سا پڑ گیا کہ مَیں اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکتا تھا - اپنی نالائقی کا احساس دل کو چھیدے دے رہا تھا - دل دھڑک رہا تھا - اور مجھے کچھ نہ سوجھتا تھا " - اس آسمانی رویت نے وارث الدین کی زندگی میں بڑی تبدیلی پیدا کر دی - اور اب سے وہ گویا ایک نئے انسان بن گئے - اس کا ثبوت انہوں نے عملی طور پر اپنی زندگی سے دیا - گذشتہ زندگی میں جہاں کہیں کوئی نقص رہا تھا یا کسی کا کچھ دینا لینا تھا یاد کر کر کے ان سب معاملات کی رفتہ رفتہ تلافی کی +

انہی ایام ایک بزرگ نے ان کو ایک خط لکھا کہ جو برکت آپ کو خداوند نے کنونشن میں دی ہے اس کو بڑھانا چاہئے اور دُنیا سے

علیحدہ ہو کر کچھ وقت جنگل میں جا کر دُعا اور روزے میں صرف کرنا چاہئے - چنانچہ انہوں نے اس نصیحت پر عمل کیا اور عجیب قسم کی طاقت حاصل کی +

ان کے دوست ڈاکٹر ڈی - این - پی دتا صاحب لکھتے ہیں - کہ اس وقت ان کو آواز آئی " وارث ہم نے تجھے شفا بخشی کی طاقت عطا فرمائی " چنانچہ اس وقت سے دُعا کے وسیلے شفا حاصل کرنے کی خدمت شروع کر دی اور مدت تک ایسا ہی کرتے رہے - اس بات کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی اور دُور دُور سے اس خدمت کی بلاہٹ آنے لگی +

اس شفا بخش خدمت کا بیان انہوں نے خود اپنی تصنیفات میں درج کیا ہے - اور کئی ایک تجربے لکھے ہیں جن کی صداقت میں کوئی کلام نہیں - یہ مردِ خدا بیشک ایک مردِ دعا تھے - ان کی زندگی کا دارومدار دُعا پر تھا +

اس دوران میں ان کے عزیز دوست ڈاکٹر ڈی - این - پی دتہ صاحب کی رفیقہ زیست اس جہانِ فانی سے گذر گئیں - ان کے خاوند کو اس جدائی کا بڑا صدمہ ہوا - غم اور پریشانی کی حالت میں انہوں نے وارث الدین سے درخواست کی کہ ان کے ساتھ انگلستان چلیں - چنانچہ یہ دونوں دوسری مرتبہ پھر اکٹھے ولایت گئے - اور وہاں اپنی دُعاؤں سے اور شفا بخش خدمت سے خداوند کا

جلال ظاہر کرتے رہے ÷

ولایت سے واپس آتے ہوئے آپ مُلک کنعان میں تشریف لے گئے۔ تاکہ ان مقامات کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ جہاں اُن کے نجات دینے والے پیارے خُداوند نے خدمت کی اور اپنی جان اُن کے لئے صلیب پر دی۔ تمام مُلک کی سیر کرنے کے بعد واپسی پر اپنے ساتھ گیتسمنی باغ میں سے اُس کانٹے دار جھاڑی کے بیج لائے۔ جس کے کانٹوں سے ہمارے خُداوند کے واسطے مصلوب ہوتے وقت تاج بنایا گیا تھا۔ کچھ مٹی بیت عنیا کے اس مقام سے لائے۔ جہاں کھڑے ہو کر خُداوند نے لعزر کو قبر میں سے بُلایا تھا۔ اس مٹی کو وہ اور ان کے چند دوست شفا کے لئے بیماروں کو دیا کرتے تھے۔ اور دعوے کرتے تھے کہ یہ خُداوند کے قدموں کی مٹی ہے۔ اس میں شفا بخشنے کی قدرت ہے۔ ایک مُبارک مرد ایمان تھے۔ دُعا اُن کی زندگی اور وحدت کی کُنجی تھی ÷

ہندوستان میں واپس آکر موضع پتو کے تحصیل چونیاں میں تعینات ہوئے اور چند دنوں میں ہی وہاں جنگل میں منگل بنا دیا۔ جگہ جگہ کلیسیائیں قائم کیں۔ مدرسے کھولے۔ مسیحیوں کیلئے قبرستان بنوائے۔ پتو کے خاص میں مشن احاطہ بنانے کی غرض سے زمین حاصل کی۔ اس میں مکانات تعمیر کروائے۔ کنواں بنوایا۔ غرض جس کام کو ہاتھ میں لیا پُورا کر دکھایا۔ اس تمام خدمت کو بوجہ

حسن انجام دینے کے بعد آپکا آرڈینیشن ہوگیا۔ اور اب سے پادری وارث الدین کہلانے لگے ÷

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی۔ سرکار برطانیہ کو ہندوستانی فوجوں کی ضرورت پڑی۔ اور اس دوران میں مسیحیوں کی بھی ایک فوج میسوپوٹامیہ بھیجی گئی۔ جسے سینونٹی فرسٹ پنجابی کہتے ہیں۔ پادری وارث الدین صاحب کو اس فوج کا چیپلن بنایا گیا۔ اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے آپ میسوپٹامیہ تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچکر جس جانفشانی اور محبت سے آپ نے کام کیا۔ اس کی داد انگریز افسروں نے بھی دی۔ صحت خُداوند کے فضل سے ایسی تھی کہ نہ دھوپ کا اثر ہوتا تھا نہ بارش کا۔ کچھ عرصہ بصرہ میں رہ کر بغداد چلے گئے۔ اور وہاں اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ اس جگہ آپ کو سینئر انڈین چیپلن کا عہدہ ملا۔ کام تو اتنا تھا۔ کہ بعض وقت چار چار جگہوں میں ایک ہی دن عبادت کرایا کرتے تھے۔ تمام مُلک کی خُوب سیر کی۔ فارس میسوپوٹامیہ بلکہ کربلا اور نجف تک پہنچے۔ محنت اور دیانتداری کے سبب فوجی افسران ان کی دل سے عزت کرتے تھے۔ ہندوستانی سپاہی تو انہیں پوجتے تھے۔ اس خدمت کے صلے میں آپ کو ایم۔ بی۔ ای کا تمغہ دیا گیا۔ باوجود اس تمام عزت اور رسوخ کے آپ کی سادگی۔ حلیمی اور ہمدردی قابل تعریف تھی ÷

یہ عزت حاصل کر کے آپ بڑی سُرخ روئی کے ساتھ اپنے

وطن ہندوستان میں واپس تشریف لائے اور کچھ وقت اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں کے پاس کاٹا لیکن اب خُداوند یسُوع کے اس مضبوط سپاہی کی صحت میں بھی کچھ فتور پیدا ہونے لگا۔ اور آخر کار لاہور میں اپنے بڑے بیٹے مسٹر ایف۔ ڈی وارث کے مکان پر اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ بدقسمتی سے اس وقت مسٹر ایف۔ ڈی وارث انگلستان تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ اور آخری وقت پر اپنے والدِ عزیز کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔ جنازہ کے وقت تمام رشتہ دار اور احباب جمع ہو گئے اور آپ کے جسم کو کلارک آباد میں لے جا کر سپردِ زمین کیا ٭

"مَیں اچھی کُشتی لڑ چکا۔ مَیں نے دوڑ کو ختم کیا۔ میں نے ایمان کو محفوظ رکھا۔ آئندہ کے لیے میرے واسطے راستبازی کا وہ تاج رکھا ہُوا ہے جو عادل مُنصف یعنی خُداوند مجھے اُس دن دیگا" ٭

پادری دینا ناتھ

پادری وارث الدین کے بپتسمہ پانے سے پیشتر اسی نارووال میں ایک اور ہندو نوجوان بپتسمہ پا چکے تھے۔ ان کا اسم مبارک دینا ناتھ تھا۔ مگر ان کے رشتہ داران کو زبردستی پکڑ کے واپس ان کے گاؤں رسیں وال میں جو نارووال سے قریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ لے گئے تھے۔ جس وقت پادری بیٹمن صاحب نے وارث الدین کی حفاظت کے لئے کپتان پولیس کی مدد طلب کی تھی۔ اس موقعہ پر کپتان صاحب موصُوف نے دینا ناتھ کے رشتہ داروں کے نام بھی سمن جاری کر کے اُن کو طلب کیا تھا۔ اور دینا ناتھ کو بلوا کر کُل حضارِ مجلس کے روبرو اُن کو مذہبی آزادی دلوا دی تھی ٭

دینا ناتھ کے آبا و اجداد حقیقت میں ایمن آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے یہ لوگ کنجروڑ ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوئے۔ جہاں پر اُنہوں نے بذریعہ بیوپار اپنے مکانات وغیرہ کھڑے کر لئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے والد بزرگ کنجروڑ کو چھوڑ کر رسیں وال میں آ کر بود و باش کرنے لگے۔ اور اسی موضع میں دینا ناتھ کی پیدائش ہوئی۔ رسیں وال میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ لہذا تعلیم کے لئے نارووال کے اُسی مشن سکول میں بھیجے گئے۔

جہاں پر رحمت مسیح اور وارث الدین نے تعلیم پائی تھی۔ اس مبارک مدرسہ کا حال تو پادری وارث الدین کی زندگی کے بیان میں قلمبند ہو چکا ہے۔ دوسرے نوجوانوں کی مانند دینا ناتھ بھی اپنے استادوں کی زندگی اور تعلیم سے متاثر ہوئے۔ اور خداوند مسیح کی انجیل کا بغور مطالعہ کرنے لگے۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ مسیحی ہونے سے مصیبت کا پہاڑ ان کے سر پر ٹوٹ پڑیگا۔ مگر کیا کرتے مجبور تھے۔ ایک عجیب رشتۂ الفت سے پابزنجیر ہو کر خداوند مسیح کی طرف کھچے آرہے تھے۔ چنانچہ ۱۸۷۷ء میں آپ نے بپتسمہ حاصل کر کے اپنے نجات دینے والے کا علانیہ اقرار کیا ÷

پھر کیا تھا۔ آن کی آن میں یہ خبر زبان زد خاص و عام ہو گئی۔ رشتہ داروں نے سُنا تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بھیڑیوں کی طرح غراتے ہوئے آئے اور انہیں پکڑ کر واپس لے گئے ÷

جس وقت کپتان صاحب نے ان سب کو نارووال میں طلب کیا تو دینا ناتھ بھی ان کے ساتھ بلائے گئے تھے۔ اور کپتان صاحب نے اجازت دی کہ ان میں جو چاہے۔ دینا ناتھ سے سوال کرے ÷

رشتہ دار:۔ دینا ناتھ کیا تم عیسائی ہو؟

دینا ناتھ:۔ میں تو کہہ چکا ہوں۔ کہ میں عیسائی ہوں۔ اور اب پھر کہتا ہوں کہ عیسائی ہوں۔ عیسائی ہوں۔ عیسائی ہوں" ÷

یہ الفاظ سُن کر برادری کے تمام لوگ کہنے لگے کہ بس کافی ہے۔

اب ہمارا کوئی چارہ نہیں ہے۔ سب کے سب خاموش اور مایوس ہو کر واپس چلے گئے اور دینا ناتھ کو بیٹمین صاحب کے حوالے کر دیا ÷

جس وقت دینا ناتھ مسیحی ہوئے تو ان کی اہلیہ محترمہ گذر چکی تھیں۔ لیکن ان کا چھوٹا معصوم بچہ کانشی ناتھ ان کے گھر ہی پر تھا جس کی عمر اس وقت قریباً تین سال کی تھی۔ دینا ناتھ کو اپنے بیٹے کی جدائی کا بہت غم تھا۔ اور ہمیشہ اسی دھن میں لگے رہتے تھے۔ کہ کسی طرح بھی اپنے لخت جگر کو اپنے پاس بلالیں۔ ناچار ہو کر انہوں نے اپنا دکھڑا میاں نکو شاہ اور منصف شیر سنگھ کے سامنے بیان کیا۔ ان دونوں نے بڑی ہمدردی دکھائی اور وعدہ کیا کہ ہم آپ کی اس مشکل کو آسان کرینگے اور اس معاملہ میں آپ کی مدد کرینگے ÷

چنانچہ ایک روز میاں نکو شاہ صاحب خراماں خراماں رسیں وال پہنچے۔ اور آنکھ بچا کر اپنے دوست دینا ناتھ کے مکان میں داخل ہوئے۔ وہاں پر ایک برہمنی آپ کو ملی جو کانشی ناتھ کی محافظ بنائی گئی تھی۔ آپ نے بات چیت کر کے اس عورت کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ایک روز موقع پا کر چپکے سے کانشی کو گود میں اُٹھا کر نارووال لے آئے۔ بیٹمین صاحب کے مکان پر آئے۔ اور بیٹے کو باپ کی گود میں رکھ دیا ÷

رسیں وال میں کسی کو معلوم تک بھی نہ ہوا کہ بچارا کانشی ناتھ کہاں گیا ہے۔ دینا ناتھ کے دو بھائیوں نے اس معصوم اور بے بس

بچے کی تلاش میں تمام گاؤں اور گردونواح کو چھان مارا۔ کنوؤں میں آدمی اتروائے۔ تالابوں میں جال ڈلوائے۔ بہت کچھ کیا۔ لیکن یہ مچھلی نہ پکڑی گئی۔ یہ میاں بکو شاہ صاحب کی کارستانی کا ہی نتیجہ تھا کہ کلیسیا کو کو نشی ایسا سرگرم اور مخلص خادم مل گیا جو تا دمِ واپسیں اپنے خداوند کی خدمت کرتا رہا۔

پادری نیوٹن صاحب نے دینا ناتھ کو مسیحی ہونے کے بعد انبالے بھیج دیا۔ تاکہ اپنے رشتہ داروں کی زد سے دور رہیں۔ کچھ عرصہ وہاں رہ کر آپ لاہور تشریف لے آئے اور یہاں تھیولاجیکل سیمنری میں بحیثیت طالب علم داخل ہو گئے۔ الہٰیات کی تعلیم مکمل کرنے پر آپ کا آرڈینیشن ہوا اور پھر اسی سیمنری میں پروفیسر ان کو تعلیم دینے لگے۔ ۱۸۸۰ء سے لے کر ۱۸۸۶ء تک آپ نے یہ خدمت بڑی کامیابی کے ساتھ انجام دی۔ تھیولاجی اور گریک پڑھایا کرتے تھے۔ اس خدمت کے دوران میں آپ کو مذہبی مطالعہ کا بہت عمدہ موقع ملا۔ ذاتی قابلیت کے علاوہ آپ کی زندگی ایسی قابلِ تقلید تھی کہ کئی ایک مسیحی نوجوان اور طلباء آپ کی صحبت سے متاثر اور فیضیاب ہوئے۔

۱۸۸۶ء میں پروفیسری کی خدمت سے سبکدوش ہو کر آپ انبالہ چلے گئے۔ تاکہ وہاں بھی الہٰیات کی تعلیم دیں۔ اس جگہ آپ کا واسطہ مس گرموڈ صاحبہ سے پڑا جو اس وقت انبالہ میں بطور مشنری لیڈی کے خدمت کر رہی تھیں اور جن کی کچھ عرصہ بعد پادری گلفورڈ صاحب

کے ساتھ شادی ہو گئی۔ مس گرموڈ صاحبہ بھی اوّل درجے کی دیندار اور خداترس خاتون تھیں۔ لیکن پادری دینا ناتھ صاحب کی روحانیت اور زندگی کو دیکھ کر ان کے منہ سے بھی بے اختیار داد نکلی۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ "دینا ناتھ کی دعائیہ زندگی قابلِ تعریف ہے۔ میں نے اکثر دیکھا کہ یہ صبح تین بجے اُٹھ کر جنگل میں چلے جاتے ہیں اور وہاں دن چڑھے تک خداوند سے دعا کرتے رہتے ہیں۔" پھر فرماتی ہیں "خدا کا شکر ہے کہ میں نے ایسا آدمی دیکھا۔" مس گرموڈ صاحبہ اکثر ان کے وعظ اور لیکچر لکھا کرتی تھیں۔ اور بعض اوقات شائع بھی کرواتی تھیں۔ آپ کے چہرے سے روحانیت ٹپکتی تھی۔ کیوں نہ ہو۔ جو تجلّی موسیٰ نے خداوند کی رفاقت میں حاصل کی تھی۔ وہ آج کل اُس کے ایمانداروں کو حاصل ہو سکتی ہے ؎

انبالہ میں خدمت ختم کرنے کے بعد یعنی ۱۸۹۹ء میں آپ نے ہوا کی تبدیلی کی غرض سے سباتو جانے کا ارادہ کیا۔ موسم برسات میں مع کل خاندان انبالہ سے روانہ ہوئے۔ اور ریل گاڑی میں سوار ہو کر کالکہ پہنچے۔ اس کے آگے یہ سفر بہت دشوار تھا۔ کیونکہ اُن دنوں ان ناہموار پہاڑی راستوں پر ایک قسم کی بند گاڑی چلا کرتی تھی۔ جسے شکرم کہتے ہیں۔ کالکہ ریلوے سٹیشن پر پہنچ یہ بھی اپنے خاندان سمیت ایک شکرم میں سوار ہوئے۔ اور سباتو کی طرف روانہ ہوئے قضا کار رستہ میں بارش شروع ہو گئی۔ اور بارش بھی ایسی موسلادھار کہ شکرم

کی چھت میں پانی ٹپکنا شروع ہوا۔ آپ نے اُس چھوٹی سی گاڑی میں اپنے بچوں کو خشک جگہ پر بٹھلا دیا اور خود عین اسی جگہ بیٹھے رہے اور اُوپر سے پانی گرتا رہا۔ ان کے بچے آج تک اس واقعہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں۔ کہ ہمارے باپ نے ہماری خاطر کیسی قربانی ادا کی۔ سیالکوٹ پہنچتے ہی بخار نے آدبایا۔ چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ یہ تو محرقہ تپ ہے۔ اٹھارہ دن تک بیمار رہ کر ۳۰ اگست ۱۸۸۸ء کو اپنے خُداوند کے پاس ابدی آرام میں داخل ہوئے ؂

بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی اس دُنیا میں سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں کو خُداوند بھی جلد اپنے پاس بُلا لیتا ہے۔ پادری دینا ناتھ صاحب کی عمر صرف ۳۵ برس کی تھی۔ لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خُداوند ایک مخصوص شُدہ زندگی کو خواہ وہ چھوٹی ہی ہو۔ کس طرح سے اپنے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ مِس گرمُوڈ صاحبہ ان کے انتقال کے بعد لکھتی ہیں۔ کہ" اس بزرگ رفیق کے چلے جانے سے تمام کلیسیا کا ایک شمعدان بُجھ گیا" ؂

انبالہ سے روانہ ہونے سے پیشتر آپ نے آخری مرتبہ ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء اتوار کو اُس جماعت کے سامنے ایک الوداعی پیغام سُنایا جو کُل کلیسیا کے لئے اُس بزرگ کا آخری پیغام تھا۔ جس کا خلاصہ ناظرین کے فائدہ کے لئے اس جگہ درج کیا جاتا ہے ؂

سندی آیت:۔ اس لئے نہیں کہ ہم لائق ہیں۔ کہ آپ سے کچھ

خیال بھی کر سکیں۔ بلکہ ہماری لیاقت خُدا سے ہے۔ جس نے ہم کو یہ لیاقت بھی دی ہے۔ کہ ہم نئے عہد کے خادم ہو ویں۔ حرف کے نہیں" بلکہ رُوح کے"۔ قرنتی ۳: ۵-۶ (پرانا ترجمہ)

خدا کی پاک انجیل کے خادم ہونے کی ہماری لیاقت یعنی بھرپوری خُدا سے ہے۔ اگر ان آیات کو افس ۱: ۲۳ سے جوڑیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کلیسیا کی بھرپوری ہے۔ اور کلیسیا اس سے بھرپور ہے۔ لکھا ہے کہ وہ یعنی کلیسیا مسیح کا بدن اور اُس کی معموری ہے جو سب کچھ سب میں بھرتا ہے۔ کلیسیا کا ہر ایک عضو مسیح سے بھرا ہے۔ جیسے وہ خالی مٹکے جو قانا کی شادی میں خالی پڑے تھے اور اس کی کرامت سے بھرپور ہو گئے۔ اسی طرح کلیسیا کے سارے مٹکے اپنے آپ میں تو خالی ہیں اور کسی کام کے نہیں لیکن مسیح سے معمور ہو جاتے ہیں" ؂

آج اس آخری اتوار میں مَیں آپ کو آخری دفعہ ایک پُرانی بات پھر یاد دلانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ" ہم اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتے"۔ خداوند ہماری بھرپوری ہے۔ خُداوند ہماری کفایت اور لیاقت ہے۔ یہ ہزاروں کا تجربہ ہوا ہے۔ جیسا اُس شخص کا تھا جو آپ ہی اس بات کا بیان کرتا ہے۔ ۲-قرنتی ۱۲: ۹ میں مقدس پولوس فرماتا ہے۔ پس خُدا نے مجھ سے کہا کہ میرا فضل تجھے کفایت ہے کیونکہ میری قدرت کمزوری میں پورا ہوتا ہے۔ پس میں اپنی کمزوریوں میں بہت ہی خوشی سے فخر کرونگا تاکہ مسیح کا سایہ مجھ پر سایہ ڈالے ؂

وہی لفظ کفایت اس جگہ استعمال میں لاتا ہے "میرا فضل تجھے کفایت ہے"۔ خداوند کی بھرپوری ہمارے لئے کافی ہے۔ میں چار باتیں اُس کی بابت آپ سے کہنا چاہتا ہوں ÷

(۱) دیکھو ۲ سلاطین ۶: ۱۵، ۱۶ و ۱۷ جہاں الیسع اپنے خادم سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "مت ڈر کہ ہمارے ساتھ والے اُن کے ساتھ والوں سے بہت ہیں۔ وہ جوان جسمانی آنکھ سے دیکھ کر بہت ہی حیران ہوگیا۔ کیونکہ چاروں طرف مخالف بے شمار نظر آتے تھے۔ لیکن الیسع کی دعا سے اُس نے ایک اور عالم کو دیکھا جو مددگاروں سے بھرا ہوا تھا" ÷

جب بہت سی مشکلات نظر آئیں اور ہمارے کام میں مخالفت بڑھ جائے تو اَے خداوند ہماری آنکھیں کھول۔ نہ صرف یہ جسمانی آنکھیں جن سے فقط اس دُنیا کی چیزیں اور مخالفت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ ہماری روحانی دلی آنکھیں تاکہ اُس دوسرے عالم کو دیکھیں جو اس عالم سے بھی زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔ وہاں جو ہمارے ساتھ ہیں۔ یہاں کے مخالفوں سے بہت زیادہ ہیں جس سے ہماری پوری کفایت ہوجاتی ہے ÷

(۲) پھر دیکھو یوحنا ۱۶: ۷ و ۸ "لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے والا تم پاس نہ آویگا۔ پر اگر میں جاؤں تو میں اُسے تم پاس بھیجدونگا اور

وہ دُنیا کو گُناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائیگا ÷

روح القدس سے ہماری کفایت ہے۔ سمجھو مت کہ جو آپ نے یہاں اجتماعہ میں مجھ سے سیکھا تو آپ کے لئے کافی ہے۔ اب خُدا کی خدمت کے لئے آپ کی پُوری تیاری ہوگئی۔ نہیں نہیں۔ جو ہم نے ان چار مہینوں میں یہاں سیکھا فقط ہماری تربیت کا شروع ہے آج سے لے کر ہمیشہ رُوح القدس کو اپنا ہادی سمجھو۔ اُسی سے برابر سیکھتے رہو۔ جب کل الگ الگ جگہوں میں چلے جاؤ گے تو اس سے روز روز نیا سبق لو۔ دیکھو یُوحنا ۱۴: ۲۶۔ وہ تُم کو کیا سکھائیگا؟ "لیکن وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجیگا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائیگا۔ اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہیں یاد دلائیگا ÷

ہم گواہ نہیں بلکہ رُوح القدس گواہ ہے۔ وہ آپ ہی دُنیا میں اور ہم میں اپنا کام کریگا۔ اسی سے ہماری بھرپوری ہے۔ شاید اس لئے ہمارے کام کی اتنے تھوڑے آدمیوں پر تاثیر ہے کہ ہم اس بات کو بھول گئے کہ رُوح القدس ہماری لیاقت ہے۔ اس کے بغیر کام کرنے کو جانا بالکل بے فائدہ ہے۔ ہم کسی پر اثر نہیں کرینگے۔ کیونکہ دیکھو متی ۱۰: ۲۰ "کہنے والے تُم نہیں بلکہ تمہارے باپ کی رُوح جو تُم میں بولتی ہے" ÷

۳۔ پھر دیکھو یسعیاہ ۵۵: ۸-۱۱۔ جہاں پر خُداوند اپنے کلام

کی نسبت فرماتا ہے کہ میرا جو میرے مُنہ سے نکلتا ہے۔ بے انجام
نہ پھریگا۔ بلکہ جو کچھ میری خواہش ہوگی وہ اُسے پُورا کرے گا۔
اور اس کام میں جس کے لئے میں نے اُسے بھیجا مُؤثر ہوگا" +

"خُدا کے کلام سے ہماری بھرپوری اور کفایت ہے۔ کسی نے
گن کے بتایا کہ بائبل میں خُدا نے ہمیں چالیس ہزار وعدے بخش دئے
ہیں اور بار بار قسم کھائی کہ وہ اُن کے حق میں جو اس پر تکیہ کرتے ہیں
پورا کرے گا۔ اس کو تقسیم کرکے مَیں نے دیکھا کہ ایک سال میں
۱۱۰ وعدے ہمارے لئے ہیں۔ جو ہم خُدا کے پاس بینک
کے نوٹوں کی مانند لے جا کر دُعا اور ایمان کے وسیلے سے
اپنے بنا سکتے ہیں +

(۴) یُوحنّا ۱۷ باب کو دیکھو۔ ہمارے خُداوند کی دُعا اور سفارش
سے ہماری بھرپوری ہے اور کفایت ہے۔ مجھے اپنے دوستوں اور
عزیزوں کی دُعا سے ہمیشہ بہت تسلی ملتی ہے۔ گو وہ میرے لئے
اپنی درخواستوں میں غلطی کر سکتے ہیں۔ لیکن مسیح غلطی نہیں کر سکتا۔
اور یہ اُس کی دُعا میرے اور آپ کے لئے بھی تھی جو غیر قوموں میں
سے اس کی پاک جماعت میں داخل ہوئے ہیں۔ اپنی سفارشی
دُعا میں وہ ہمارے لئے چار درخواستیں کرتا ہے +

(۱) ۱۱ تا ۱۲ آیات میں وہ ہماری باہمی یگانگت کے لئے سفارش
کرتا ہے +

(۲) ۲۰ و ۲۱ آیات میں وہ ہمارے کام اور خدمت کے لئے دُعا
کرتا ہے +

(۳) ۲۳ آیت میں وہ ہمارے کامل بننے کی درخواست کرتا
ہے +

(۴) ۲۴ آیت میں ہمارا عزیز خُداوند ہماری آسمانی گھر کی
بھرپوری کے لئے دُعا کرتا ہے +

"پس اے بھائیو ہم نے دیکھا کہ اس پاک خدمت کے لئے
فقط خُدا ہماری کفایت ہے۔ کیا شک و شبہ کی جگہ باقی ہے؟ کیا
سچ بات نہیں کہ اگرچہ ہم آپ سے کچھ خیال بھی نہیں کر سکتے
لیکن خُداوند ہماری کفایت اور لیاقت ہے؟ اس خدمت کے
لئے اُس سے ہماری بھرپوری ہے" +

پادری دینا ناتھ صاحب کا یہ آخری پیغام۔ آج ہمارے زمانہ کی
کلیسیا کے لئے ویسا ہی ضروری ہے جیسا اُس زمانہ کی کلیسیا کے لئے
بلکہ پولوس رسول کے زمانے کی کلیسیا کیلئے تھا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ
فی زمانہ ہم صرف اپنی کوشش۔ قابلیت اور انتظام پر زیادہ بھروسہ
کرتے ہیں اور خُداوند کی قوت سے ناواقف ہیں؟ ملک ہندوستان
میں ہماری ناکامی کا بڑا سبب یہ ہے۔ کہ خُداوند کی قوت میں ہو کر
کام نہیں کرتے۔ وہ کون سی مشکل ہے جو اُس کی قدرت کے سامنے
آسان نہیں ہو سکتی؟ وہ کونسا عقدہ ہے جو اس کی لیاقت سے

وسیلے سے حل نہیں ہو سکتا؟ وہ کونسا پتھر ہے جو اس کی محبت سے موم نہیں ہو سکتا؟ اس کم عمر غادم الدّین کو خداوند نے جوانی ہی میں اپنے پاس بُلا لیا لیکن اُس کا یہ بیش قیمت تجربہ ہمارا ورثہ ہے۔ اس تجربہ کو حاصل کرنے کا بھید صرف ایک نقطہ میں موجود ہے اور وہ ہے :-

دُعا

Rev Michael Joseph. Cell # 92 300 7233 854.
yscaljesus@gmail.com
yesmicheal@yahoo.co.uk
Evenglist Yousaf Masih.
Cell # 92 300 7233 853.

پادری ٹامس اوّل

شہرِ ملتان کے ایک گنجان حصّہ میں ایک چھوٹا سا مکان نظر آتا ہے۔ باہر دالان میں چند نوجوان لڑکے کھیل رہے ہیں۔ نزدیک پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ یہ ایک مدرسہ ہے جو تھوڑا عرصہ ہُوا ایک مشنری سوسائٹی کے زیرِ اہتمام کھولا گیا۔ دنیوی مضامین کے ساتھ بائبل کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ لیکن ۱۸۶۶ء میں ایک مسلمان مولوی صاحب ہی بائبل بھی پڑھایا کرتے تھے۔ ناظرین چلیے۔ مولوی صاحب کے کمرہ میں چلئے اور دیکھئے کہ آپ بائبل کس طرح پڑھتے ہیں۔ مولوی صاحب کرسی پر دونوں پاؤں ٹیکے گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے باندھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ طلبا کو حکم دیا ہے۔ کہ انجیل کھول کر اپنا سبق یاد کرو۔ الماری کے پاس دو لڑکے کشتی کر رہے ہیں۔ ادھر کونے میں ایک ہندو لڑکا پوری کھا رہا ہے۔ ایک نے کپڑوں پر سیاہی گرا لی ہے اور دروازہ میں کھڑا رو رہا ہے۔ ایک بیٹھا اپنی سلیٹ پر مور کی تصویر بنا رہا ہے۔ دو تین مولوی صاحب کی چٹھی چپاتی میں مصروف ہیں۔ ہاں چند ایک نے اپنے سامنے انجیلیں بھی کھول کر رکھی ہوئی ہیں۔ عین اسی وقت ایک مسیحی مناد ٹہلتا ٹہلتا اس کمرہ میں داخل ہُوا۔ اور آداب بجا لا کر کہنے لگا ٭

مُناد۔ مولوی صاحب آپ اتنے عرصہ سے بائبل پڑھاتے ہیں۔ کیا آپ کے دل پر عیسائی مذہب کا کچھ اثر ہوا؟

مولوی صاحب۔ نہیں صاحب۔ توبہ۔ توبہ استغفراللہ۔ یہ تو ناممکن ہے بلکہ میں تو یہ کہونگا کہ یہ تاثیر قرآن شریف ہی میں ہے۔ کہ جو عیسائی اس کو پڑھیں ضرور مسلمان ہو جاتے ہیں ✣

مُناد۔ (معذرت کے لہجہ میں ایک طالب علم کی طرف اشارہ کرکے)
"ہاں ایسے نوجوان جن کو اپنے مذہب کی نسبت کچھ معلوم نہیں اگر مسلمان ہو جائیں تو کچھ تعجب نہیں۔ مگر جو عیسائی کہ اپنے دینی عقائد سے واقف ہیں۔ اُن کا محمدی ہو جانا ناممکن ہے" مولوی صاحب تو یہ جواب سُن کر خاموش ہو گئے۔ گویا بازی جیت گئے۔ لیکن وہ بیچارا طالب علم جو اس وقت ہدف ملامت بنا۔ شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا۔ اس نوجوان کا نام ٹامس ہاول ہے۔ جس کو تحصیل علم کے لئے ریاست بہاولپور کے پولٹیکل ایجنٹ نے ملتان بھیجا ہے۔ مُناد کا یہ فقرہ سُن کر اس کے دل پر بڑی چوٹ لگی۔ اور کچھ ایسا اثر طبیعت پر ہوا کہ اسی دن سے دیگر مضامین کے ساتھ بائبل کا مطالعہ شروع کر دیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ مولوی صاحب کے کہنے کے مطابق قرآن بھی پڑھنا شروع کیا ✣

ٹامس ہاول کے والد ماجد والئے بہاولپور کے ہاں فوج کے کپتان تھے۔ یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ وہ ہندوستان میں کب تشریف

لائے۔ لیکن اتنا تو ضرور ہے کہ ۱۸۴۳ء کی جنگ سندھ حیدرآباد میں اُنہوں نے حصہ لیا۔ بعد ازیں ۱۸۴۹ء میں سکھوں کی آخری لڑائی کے موقع پر آپ نواب بہاولپور کی فوج کے ساتھ اپنے چچا زاد بھائی کپتان مینفرسن صاحب کے ساتھ جنگ میں موجود تھے۔ اور آخرکار نواب بہاول خاں والئے ریاست بہاولپور کی ملازمت ہی میں فوت بھی ہوئے۔ چنانچہ ان دونوں کپتانوں کی قبریں آج تک احمد پور شرقیہ ڈیرہ نواب میں موجود ہیں ✣

کپتان جان ہاول تین چھوٹے معصوم بچوں کو چھوڑ کر راہی ملکِ بقا ہوئے جن میں سے ایک کا نام ٹامس ہاول تھا۔ گو والد کے گذرنے پر یہ بچے بے سروسامان رہ گئے۔ لیکن نواب صاحب نے ان کے والد کی خدمات کے صلہ میں ان کی تعلیم اور پرورش کے لئے پنشن مقرر کر دی۔ ہاں کچھ سرمایہ تو ان کے والد بھی چھوڑ گئے تھے۔ لیکن وہ ان یتیموں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی نہ تھا۔

ٹامس ہاول نے ایام طفولیت میں بہت سا وقت کھیل کود اور سیر و شکار میں صرف کیا۔ لیکن سنہ ۱۹۰۶ء میں وہاں کے پولٹیکل ایجنٹ نے آپ کو ملتان بھیج دیا۔ تاکہ مشن کے مدرسہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کریں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ مدرسہ میں داخل ہوتے ہی خوب دل لگا کر پڑھائی میں محنت شروع کی۔ لیکن دینی تعلیم کی طرف توجہ نہ تھی ✣

اس واقعے کے جس کا بیان اُوپر ہو چکا ہے۔ طبیعت نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ آپ کو مذہبی تلقین کی دُھن لگ گئی۔ بائبل اور قرآن کا خوب مطالعہ کیا اور دینی مسائل کو سمجھنا شروع کیا۔ مسیح مصلوب کی قدرت دیکھئے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جس مسلمان سے قرآن پڑھنا شروع کیا تھا وہ بھی مسیحی ہو گیا۔ پھر کیا تھا۔ ٹامس ہاول کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور مذہبی جستجو کا شوق پہلے سے بھی دوچند ہو گیا +

سکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد آپ کو ریاست بہاولپور کی فوج میں ملازمت مل گئی۔ اور کئی بار ریاست کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور خانہ جنگیوں میں شریک ہوئے۔ چند معرکوں میں تو آپ بال بال بچ گئے۔ خداوند نے ابھی آپ سے بہت سا کام لینا تھا +

ایک موقع پر ریاست کا ایک وزیر باغی ہو گیا۔ اور ایک قلعے کے اندر پناہ گزیں ہوا۔ نواب کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا لیکن وزیر کو یہ معلوم تھا۔ کہ نواب صاحب کی فوج کے سپاہیوں کو چند ماہ سے تنخواہ نہیں ملی۔ اُس نے قلعہ کی دیوار پر سے روپوں کی تھیلیاں باہر پھینکنی شروع کیں۔ اور کچھ آدمی گھات میں بٹھا دئے کہ نواب کی فوج میں سے جو سپاہی روپیہ اُٹھانے آئے اُسے گولی کا نشانہ بنائیں۔ اس لڑائی میں ٹامس ہاول بھی نواب صاحب کی فوج میں موجود تھے۔ ان کا ایک اردلی روپیہ بٹورنے کی غرض سے دیوار کی طرف بھاگا اور گولی کے ذریعے سے وہیں ڈھیر ہو گیا ہو گیا۔ اُس کے دو بیٹے الو

اور گھنا پیچھے رہ گئے۔ اس وقت جو سلوک ٹامس ہاول نے ان دونوں کے ساتھ کیا۔ وہ قابل تعریف ہے۔ آپ نے ان دونوں کی پرورش کی اور دونو کو بپتسمہ دلوایا۔ ایک کا نام یوحنا رکھا اور دوسرے کا لوقا۔ آپ کی مذہبی غیرت میدان جنگ میں بھی کم نہ ہونے پائی +

کس کی بہار حُسن ہے میری نگاہ میں
جس سمت اُٹھ گئی چمنستاں بنا دیا

آپ کی فوجی خدمات کے باعث ریاست کی طرف سے آپ کی تنخواہ میں تیس روپیہ ماہوار کا اضافہ کیا گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپ فوجی خدمت سے سبکدوش ہو کر ریاست بہاولپور میں بعہدۂ منصف ممتاز ہوئے۔ انہیں ایام میں آپ کی شادی خانہ آبادی بھی ہوئی۔ آپ کی مس شارلٹ ڈوک بھی ایک اعلےٰ درجے کی خدا پرست اور دیندار خاتون تھیں

باوجود انتہائی مصروفیت کے مذہبی خدمت کرنے کا شوق دن بدن بڑھتا گیا اور شادی کے چار ہی سال بعد ریاست کے کام سے سبکدوشی حاصل کر کے ایک خفیف سی پنشن پر ملتان میں آ گئے اور وہاں رضا کار مبشر کی حیثیت میں کام کرنا شروع کیا۔ یہاں آکر پادری گارڈن جیسے جاں نثار مشنری سے آپ کا واسطہ پڑا۔ اور اُن کے ساتھ مل کر خدمت کرنے لگے۔ کوسوں کا سفر پا پیادہ طے کر کے یہ دو تو خداوند کے ایمان دار بندے ملتان منٹگمری جھنگ اور پنڈ دادنخاں

کے علاقوں میں دورہ کرتے اور خداوند کا کلام سناتے پھرے۔ اُن دنوں میں نہ تو ڈاک بنگلے تھے نہ سرائے۔ اکثر اوقات یہ کسی غریب کے جھونپڑے میں یا درختوں کے نیچے ہی بسیرا کر لیا کرتے تھے ؎

۱۸۷۷ء میں آپ نے لاہور میں آکر تھیولاجیکل سیمنری میں تعلیم حاصل کی اور اُس کے بعد بعہدہ کیٹکسٹ مقرر ہو کر جھنگ میں خدمت کے لئے بھیجے گئے۔ وہاں چند سال کام کر کے پھر لاہور میں مزید تعلیم کے لئے آئے اور اب کی دفعہ ڈیکن مقرر ہو کر پنڈ دادنخاں میں پادری گارڈن صاحب کی جگہ بھیجے گئے جو قندھار کی لڑائی میں مارے گئے تھے ؎

پنڈدادن خاں میں چار سال تک یعنی ۱۸۸۸ء سے لے کر ۱۸۹۲ء تک بڑی جانفشانی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ دُور دُور تک دورہ کیا۔ میلوں فاصلہ طے کر کے چھولداریاں لگا دیتے اور خداوند کے نام کی بشارت دیتے۔ انہی دنوں میں رام چند اور عاشق علی نے ان کی شخصیت سے متاثر ہو کر انہیں کے ہاتھ سے خداوند کے نام پر بپتسمہ لیا۔ ان دو نوجوانوں کے مسیحی ہونے پر پنڈدادن خان کے باشندوں نے آپ کو بہت ستانا شروع کیا۔ مالک مکان نے بھی گھر سے جواب دے دیا۔ لیکن ٹامس ہاول کی مضبوط رُوح کو کوئی شے مغلوب نہ کر سکی ؎

اس وقت تو مبشر کی خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن ابھی آپ

کی وہ خاص خدمت باقی تھی جس کے لئے خداوند نے انہیں اپنا خاص وسیلہ چُنا تھا۔ اور یہ پاسبانی خدمت تھی۔ ٹامس ہاول تو خدا کے بنائے ہوئے پاسبان تھے۔ اُن کی شخصیت میں ایسی صفات موجود تھیں۔ جن کے سبب سے وہ پنجاب کے پاسبانوں کے لئے ہمیشہ نمونہ رہیں گے پہلے پہل یعنی ۱۸۹۲ء میں ان کو کلارک آباد کی مسیحی بستی کی طرف سے بلاہٹ دی گئی۔ گو یہ مسیحی بستی تھی۔ لیکن اُس زمانہ میں مشن کی طرف سے یہاں ایک ہندو نمبردار مقرر تھا۔ اور تہائی سے زیادہ مزارعان مسلمان تھے۔ آپ کی کوشش سے اُس ہندو نمبردار کی بجائے مسٹر رابرٹ داؤد سنگھ کو وہ جگہ دی گئی اور مسلمان کاشتکاران کو بے دخل کر کے مسیحی کاشتکاران آباد کئے گئے۔ بعض مسیحیوں کو آپ نے جھنگ بار میں سرکار سے زمین دلوا دی۔ اس قسم کی عملی ہمدردی کا اُس جماعت پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اور یہ کلیسیا اپنے پاسبان کو پُوجنے لگی۔ ایک مرتبہ کلارک آباد میں ہیضہ کی وبا پھیل گئی۔ پادری ٹامس ہاول نے تمام پرہیز وغیرہ کو علیحدہ کر کے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر لوگوں کی خدمت کی۔ چنانچہ پادری ہولڈن صاحب نے اس کے اعتراف میں آپ کو ذیل کا خط لکھا ؎

"۱۸۹۶ء کے موسم گرما میں یہاں پر وبائے ہیضہ پھیل گئی۔ آپ نے بیماروں اور مرنے والوں کی بے خوف ہو کر خدمت کی۔ اور اس بات میں خاص شہرت حاصل کی۔ اس طرح آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ

کو پاسٹر کے فرائض کا بخوبی علم ہے۔ اور ہمیشہ اپنے فرض کو بجا لانے کے لئے تیار ہیں۔ مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۹۳ء

کلارک آباد میں مسلسل کئی سال تک خدمت کرنے کے بعد آپ منٹگمری والا میں پاسبان ہو کر آ گئے۔ یہ غریب مسیحیوں کی ایک نئی آبادی تھی۔ نہ تو یہاں کوئی کنواں تھا نہ ہی عبادت کے لئے کوئی گرجا تھا۔ لوگ اکثر جھونپڑیوں میں رہا کرتے تھے۔ اس پر طرفہ یہ کہ ان میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ پادری ٹامس ہاول نے پانچ سال تک جان توڑ کر اس جگہ خدمت کی اور اس بستی کی کایا پلٹ دی۔ سب سے پہلے سمجھا بجھا کر ان مسیحیوں میں سے ہر قسم کے افتراق کو دور کیا۔ اور ان میں یگانگت کی روح پیدا کی۔ پھر انہیں سے چندہ وصول کر کے ایک چاہ تعمیر کروایا۔ پھر گرجا گھر بنوایا اور اس کے ساتھ ہی مدرسہ۔ شفاخانہ اور ایک عالیشان مسافر خانہ بنوایا اور ان کے باہمی تنازعوں کو فیصلہ کرنے کے لئے ایک پنچایت قائم کی ۔

اب تک اس خدمت میں آپ کی اہلیہ صاحبہ آپ کی مددگار تھیں۔ عورتوں کو سکھانے پڑھانے کا کام انہیں کے سپرد تھا۔ بستی کے تمام لوگ دل سے ان کی تعظیم کرتے تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۲ء میں آپ اس منٹگمری والا میں بیمار ہو گئیں۔ اس جگہ نہ تو کوئی ڈاکٹر ملا اور نہ کوئی حکیم۔ لہٰذا علاج کے بہم نہ پہنچنے کے سبب آپ اپنے خاوند اور بچوں کو الوداع کہہ کر اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ پادری ہوٹن صاحب نے آخر جنازہ

کی رسم ادا کی۔ پادری ٹامس ہاول کو اپنی رفیقہ کی جدائی کا بڑا صدمہ ہوا۔ لیکن تو بھی خداوند سے فضل خاص حاصل کر کے تین سال تک اور اسی جگہ خدمت کرتے رہے ۔

ازیں بعد لاہور کے ٹرنٹی چرچ کی کلیسیا نے آپ کو پاسبانی خدمت کے لئے دعوت دی۔ یہاں پہنچ کر جو خدمات آپ نے انجام دیں۔ ان کا اجر ان کو خداوند ہی سے ملیگا۔ پاسبانی خدمت میں بلاناغہ وقت مقررہ پر اپنی جماعت کے لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے گھر گھر جاتے تھے۔ خصوصاً غریب مسیحیوں کی خبر گیری اور حفاظت کا خیال ہمیشہ آپ کے دل میں رہتا تھا۔ لاہور میں قلعہ گوجر سنگھ اور میاں میر کے مسیحی آج تک آپ کو یاد کرتے ہیں۔ ذاتی خوش خلقی۔ ہمدردی اور منکسر مزاجی کی وجہ سے لوگ آپ کو دیوتا سمجھتے تھے اور ہمیشہ آپ کی رائے کی تعظیم کرتے تھے ۔

پاسبانی خدمت کے ساتھ ہی آپ کو بشارتی کام کا بھی ہر دم خیال رہتا تھا۔ دیگر مذاہب کی کتب مقدس سے کمال واقفیت حاصل تھی۔ اپنے مکان کے باہر ایک تختہ پر ذیل کے الفاظ لکھوا رکھے تھے۔ "جو شخص مسیحی مذہب کے بارے میں کچھ دریافت کرنا چاہے۔ وہ یہاں پر آ کر گفتگو کر سکتا ہے۔" کیوں نہ ہو۔ اس خدمت کا مزہ تو یہ پہلے چکھ چکے تھے۔ اب کیونکر اسے بھلا دیتے۔ گھر پر جب دیکھو متلاشیوں کا ہجوم لگا رہتا۔ تبلیغ انجیل کی غرض سے آپ نے لاہور شہر کے دیگر پاسبانوں کے ساتھ مل کر ایک بشارتی انجمن قائم کی۔ اور اس انجمن کے زیر اہتمام لاہور میں بشارتی لیکچرد

کا سلسلہ جاری کیا۔ مشہور مناظرین مثلاً پادری جوالا سنگھ بریلوی۔ حافظ احمد مسیح دہلوی۔ پادری جان قلندر الہ آبادی۔ پادری جوئیل واعظ الحق اور بشپ لفرائے صاحب کو دعوت دیا کرتے تھے۔ کہ لاہور میں آکر درس دیں اور مناظرہ میں حصہ لیں اپنی زندگی کے آخر تک باقاعدہ فورمن کرسچن چیپل میں جاتے اور بڑے جوش کے ساتھ خداوند مسیح کے نام کی گواہی دیا کرتے تھے ؛

ان ایام میں آپ کو پادری گولڈ سمتھ صاحب کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ حیدرآباد دکن میں جا کر لیشاتی لیکچر دیں چنانچہ آپ نے وہاں جا کر نہایت عالمانہ درس دئے جو بعد میں شائع کئے گئے۔ ہندوستان کے دیگر مذاہب کی نسبت بہت کارآمد کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کا قاعدہ تھا۔ کہ صبح سویرے قبل از طلوع آفتاب اُٹھ بیٹھتے۔ دُعا اور بائبل کے مطالعہ سے فارغ ہو کر بہت سا وقت تحریر میں صرف کرتے اور کلام اللہ کی مختلف آیات پر وعظ اور لیکچر تیار کیا کرتے تھے۔ ہر ایک کام میں پابندی وقت کا بہت لحاظ کرتے تھے۔ اس میں مبالغہ نہیں کہ پادری ٹامس ہاول جیسے ہر دلعزیز پاسبان کا ملنا فی زمانہ مشکل ہے۔ خود تکلیف گوارا کر کے ہر کس و ناکس کی امداد کے لئے تیار ہو جاتے۔ پاسبان کیا تھے۔ یتیموں اور مصیبت زدوں کے باپ تھے ؛

۱۹۱۴ء کے آخر میں آپ کی طبیعت کچھ علیل ہو گئی۔ ہوا کی تبدیلی

کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں جا کر اور بھی زیادہ بیمار ہو گئے۔ بہت علاج کیا۔ مگر کچھ پیش نہ گئی۔ آخر لاچار ہو کر ان کے دوست اور رشتہ دار اپریشن کے لئے انہیں امرتسر کے مشن ہاسپٹل میں لے آئے۔ اپریشن سے پیشتر تمام رشتہ دار اور بال بچے آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ مورخہ ۳ر نومبر ۱۹۱۴ء کو آپ کا اپریشن کیا گیا۔ اور چند ہی گھنٹے کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ؛

ے
دُعا ہے موت ایسی دے ہمیں تو
ملیں آپس میں ہم دارالبقا میں

تمام عمر خدمت کرنے کے بعد صرف مبلغ اسی روپے آپ کی پاس تک میں سے بچے جو آپ کے تجہیز و تکفین میں صرف کئے گئے۔ دُنیوی مال و دولت جمع کرنے کا خیال کبھی دل میں پیدا نہیں ہوا۔ کل زندگی ایک قربانی تھی۔ اپنے خداوند کی خاطر روپیہ۔ عزت۔ ملازمت سب کچھ ہیچ سمجھا اور فقیرانہ زندگی اختیار کی۔ اس مسیح مصلوب کی محبت نے مجبور کیا ہوا تھا۔ جو اگرچہ خدا کی صورت پر تھا خدا کے برابر ہونے کو قبضے میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا۔ بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا۔ اور خادم کی صورت اختیار کی . . . اور یہاں تک فرمانبردار رہا۔ کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی" ؛

پادری جی۔ ایل ٹھاکرداس

شہر گوجرانوالہ میں آج ایک انبوہِ کثیر جمع ہے۔ بسیاکھی کے تیوہار منانے کے لئے دور دور سے اہلِ دیہات آئے ہوئے ہیں۔ ہر طرف مختلف اقسام کی دکانیں سجی ہوئی ہیں۔ حلوائیوں نے مٹھائی کے برج بنائے ہیں۔ شربت اور فالودہ اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ جابجا مٹی کے کھلونے فرش پر سجے ہوئے ہیں۔ پنگھوڑوں کی آواز نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہے۔ گاؤں کے زمیندار فرطِ مسرت کے سبب دائرہ باندھے ہاتھ اٹھائے اپنے ناچ میں مشغول ہیں۔ اچھلتے ہیں اور گیت گاتے ہیں۔

ذرا الگ ہٹ کر ایک سائبان کے نیچے سے ڈھولک اور ستار کی آواز آ رہی ہے۔ چند اشخاص کھڑے ہو کر بڑے جوش کے ساتھ گیت گا رہے ہیں۔ گیت کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

تو۔ گناہوں پانی کر لے ہے تمنے شتابی
ورنہ ہوگی خرابی جس دن حساب ہوگا

اس ہجوم میں جہاں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ شانے سے شانہ ملتا تھا۔ آمد و رفت خلقت سے کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ ہمارے مسیحی خدمت گذاروں نے بھی اپنے لئے جگہ بنالی۔ ساز و سامان

آموجود ہوئے۔ اپنے پیارے خداوند کے نام کی بشارت دینے لگے۔ گیت وغیرہ کی آواز سن کر کچھ لوگ جمع ہو گئے اور سائبان کو گھیر لیا۔ اتنے میں ایک مسیحی مبشر آگے بڑھا اور بلند آواز سے منادی کرنے لگا۔ سامعین اُس کی تقریر توجہ کے ساتھ سننے لگے۔ بیچارا ابھی عرصۂ بیان میں دور تک نہ پہنچنے پایا تھا۔ کہ ایک مسلمان مولوی صاحب آگے بڑھے اور ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے +

مولوی صاحب۔ آپ فرماتے ہیں (مبشر کی طرف اشارہ کر کے) کہ ہمارے گناہ خداوند مسیح کے خون سے صاف ہو جاتے ہیں +

مبشر۔ جی ہاں۔ ہمارا یہی دعوے ہے +

مولوی صاحب۔ سامعین کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ خون ایک ایسی شئے ہے جو صفائی کی بجائے داغ اور دھبے پیدا کرتی ہے۔ ہمارے بزرگ کا یہ کہنا کہ مسیح کے خون سے گناہ صاف ہو جاتے ہیں۔ غلط ہے۔ کیوں خون تو داغ پیدا کرتا ہے +

واہ! کیا کہنا۔ خوب اعتراض اٹھایا۔ اس عقل اور سمجھ پر آفرین لیکن ذرا ہمارے مبشر صاحب کا جواب تو سنئے +

مبشر۔ مولوی صاحب کا اعتراض نہایت معقول ہے۔ لیکن اس کا جواب ہم اپنے مکان پر دینگے۔ آپ برائے مہربانی وہاں تشریف لائیے +

یہ الفاظ سن کر مولوی صاحب نے قہقہہ لگایا اور لوگوں نے

تالیاں بجانی شروع کیں گویا کہ عیسائیوں کی ہار اور مسلمانوں کی جیت ہوئی ۔ بیچارے مسیحی کچھ نادم سے ہوگئے اور پھر گیت گانا شروع کیا

اس وقت سائبان کے پیچھے ان مسیحیوں کے ساتھ ایک چھوٹا سا لڑکا بھی تھا ۔ جس کا نام ٹھاکر تھا ۔ جو یہ تمام ماجرا دیکھ کر شرم کے مارے آنکھیں نیچے کرکے بیٹھا تھا ۔ ذہانت اُس کی پیشانی سے ہویدا تھی ۔ اور شرافت بشرہ سے ٹپک رہی تھی ۔ بیچارا سر نیچے کئے اپنے خیالات میں مستغرق خاموش بیٹھا تھا ۔ اس وقت جو شکست مسیحیوں نے کھائی ۔ اُس کی وجہ سے اس بچے کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ہمارے نمائندہ میں کچھ قابلیت ہوتی تو آج ہماری یہ شکست نہ ہوتی ۔

سچ ہے ۔ علم در سینہ ہے باید نہ در سفینہ ۔ ٹھاکر کو اس روز ایسی شرم آئی کہ اُس نے وہیں اپنے خداوند کے ساتھ فیصلہ کیا کہ اپنی زندگی خداوند کے ہاتھ سپرد کرے گا ۔ اور اس کے فضل سے علم اور قابلیت حاصل کرکے ایسے ایسے معترضوں کا منہ بند کریگا ۔

اس نو عمر لڑکے کے آباؤ اجداد حقیقت میں شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔ برہمنوں کا خاندان تھا ۔ والد کا نام دیوی بھجن تھا جو سرکار انگلشیہ کے ماتحت ہندوستانی فوج میں ایک افسر تھے ۔ ۱۸۵۷ء میں جب غدر ہوا تو دیوی بھجن لکھنؤ میں بیلی گارڈ گیٹ پر غداروں کے

ہاتھ سے مارے گئے ۔ ان کی بیوی اور دو بچے پیچھے رہ گئے ۔ ان میں سے چھوٹے کی عمر جس کا نام ٹھاکر داس تھا ۔ اس وقت قریباً پانچ برس کی ہوگی ۔

بیچاری بیوہ ماں ان دو بچوں کا منہ دیکھ کر جیتی تھی ۔ دشمنوں کے خوف سے ان کو اپنے پروں تلے چھپائے پھرتی تھی ۔ خاوند کچھ روپیہ اور مال اسباب چھوڑ گیا تھا ۔ بے رحم قصابوں نے موقع پاکر وہ بھی چھین لیا ۔ اب ان بیچارے یتیموں کی حالت دن بدن بدتر ہونے لگی ۔ نہ پیسہ پاس نہ کسی دوست کی آس ۔ کبھی پیٹ بھر کر کھانا مل گیا تو کھا لیا ورنہ رو رو کر سو رہے ۔

۱۸۶۰ء میں جب وبائے قحط نازل ہوئی ۔ تو ان کی یہ حالت تھی کہ تن پر کپڑا بھی باقی نہ تھا ۔ بیچاری ماں کا دل بچوں کی حالت دیکھ کر پھٹا جاتا تھا ۔ ناچار ہتھیلی پر جان رکھ کر اپنے دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور اُس اجڑے دیار کو الوداع کہا ۔

ما خدا داریم مارا نا خدا درکار نیست

شمال مغرب کا رُخ کیا ۔ بیچاری پیادہ پا بے سرو سامان اپنے گھر سے نکل پڑی ۔ ہر روز قریہ بقریہ ۔ شہر بہ شہر ۔ منزل بمنزل ۔ صحرا بہ صحرا بھٹکتے ہوئے بچوں کو لے کر چلی جاتی ہے ۔ راستہ میں کہیں بھیک مانگ لی ۔ کہیں مزدوری کر لی ۔ آخر چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ۔ اب تو یہ حالت ہوئی کہ :-

ع ہر شام مثل شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں

کچھ عرصہ کہیں قیام کیا۔ پھر ہوش سنبھالی اور آگے روانہ ہوئے۔ کچھ معلوم نہیں کہ کہاں جانا ہے؟ رات کہاں بسر ہوگی؟ کن لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑیگا۔ اسی طرح چلتے چلتے ان ماں بیٹوں نے سات سو میل کا سفر طے کیا اور پنجاب کے اُس مشہور شہر میں پہنچے جسے سیالکوٹ کہتے ہیں۔ یہاں پر شہر کے چند متمول شخصوں نے یتیموں اور بیکسوں کے لئے لنگر کھول رکھے تھے۔ یہ بھی وہاں پہنچے اور خُدا کا شُکر کرکے دانہ پانی حاصل کیا۔ چند دن اسی طرح گذارے +

ایک روز وہاں کے ایک خُداترس مشنری پادری آر۔ اے۔ ہل صاحب کا ان کی قیام گاہ کے پاس سے گذر ہُوا۔ انہیں دیکھ کر اُن کے دل پر کُچھ عجیب قسم کا اثر ہُوا۔ اور نزدیک آکر اُن کی داستان پوچھی۔ سب حال دریافت کرکے بڑی ہمدردی ظاہر کی اور اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس درخواست کو فرمانِ ایزدی سمجھا اور شُکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ چل پڑے اور مشن احاطہ میں آگئے +

یہاں پہنچ کر انہیں مشن کے یتیم خانہ میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑی سی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ماں بیٹوں نے خُداوند مسیح کے نام بپتسمہ

لیا۔ مسیحی ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ تک اسی جگہ رہے اور مزید تعلیم حاصل کرتے رہے +

۱۸۶۳ء میں ہل صاحب ولایت چلے گئے۔ اور یہ یتیم خانہ پادری بار صاحب کے سپرد ہُوا۔ ۱۸۶۸ء میں شہر گوجرانوالہ میں مشن سکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور وہ تمام مسیحی لڑکے جو اب تک یتیم خانہ میں تعلیم پاتے تھے۔ اس نئے مشن سکول میں داخل کئے گئے۔ تاکہ غیر مسیحی لڑکوں کے ساتھ مل کر تعلیم پائیں +

ٹھاکر داس کو شروع ہی سے مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اس مشن سکول کی تعلیم نے سونے پر سوہاگے کا کام کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ نے اپنی قابلیت اور ذہانت کا سکہ سب کے دلوں میں بٹھا دیا۔ رفتہ رفتہ منتظمان سکول کی طرف سے آپ کو مدرس کا کام دیا گیا۔ اب چند گھنٹے تو مدرسہ میں پڑھاتے تھے اور باقی وقت اپنی تعلیم میں صرف کرتے۔ گویا اس قابل ہو گئے کہ اپنی تعلیم کا بوجھ خود اٹھا سکیں اور اپنی والدہ کی پرورش کر سکیں +

۱۸۷۰ء میں آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ہمت بڑھ گئی۔ اور اب ایف۔اے کا امتحان دینے کی تیاری شروع کی۔ اپنی والدہ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ لہذا گوجرانوالہ ہی میں پادری مارٹن صاحب اور اُن کی میم صاحبہ سے ریاضی فلسفہ اور انگریزی علم و ادب سیکھنا شروع کیا۔ لیکن چونکہ اس

وقت مشنری صاحبان اور خادمانِ دین کی تعداد کافی نہ تھی۔ مشن کی طرف سے اِن سے پوچھا گیا۔ کہ آپ اعلےٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاہور جانا چاہتے ہیں۔ یا خادم الدین کی خدمت کے لئے تیاری کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے بہت غور و فکر اور دُعا کے بعد فیصلہ کیا۔ کہ اپنی زندگی خُداوند کے لئے مخصُوص کردیں اور اس کی خدمت کیلئے تیاری کریں۔ علم الٰہی کی تعلیم کے متعلق یو۔پی مشن کے وہ مشہور مشنری یعنی پادری لیجے۔پی۔میکی صاحب ان کے گرو مقرر کئے گئے۔ جن کی یاد گوجرانوالہ سے کبھی معدوم نہ ہوگی۔ اگر ان کو یو۔پی مشن کا فورمن کہا جائے تو بجا ہے۔ نُورانی صورت۔ صافی سیرت۔ خُداداد رعب جس کے سامنے بڑے بڑے افسران مؤدبانہ طور پر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ ٹھاکر داس نے اپنے اس گرو سے علم الٰہی تاریخ کلیسیا۔ عبرانی اور یُونانی زبانیں وغیرہ سیکھیں۔ ان دونو میں اتحاد دلی اور موانست قلبی کی یہ کیفیت تھی۔ کہ مرتے دم تک ٹھاکر داس اپنے گرو کے گُن گایا کرتے تھے۔ الغرض ۱۸۷۶ء میں کامل تیاری حاصل کرنے کے بعد آپ عہدۂ خادم الدین پر ممتاز ہوئے۔

اس وقت سے ٹھاکر داس کی زندگی میں ایک نیا زمانہ شروع ہوا۔ مدت سے دل میں حسرت تھی کہ خاص طور پر اپنی زندگی بشارتی خدمت کے لئے وقف کریں۔ دل و جان سے اس مبارک کام میں مصروف

ہوئے۔ شروع میں مشن کی طرف سے پسرور کے علاقہ میں بحیثیت "سپرنٹنڈنٹ آف مشنز" بھیجے گئے۔ چند سال ہی میں آپ نے اس علاقہ کو ہلا دیا۔ دیہات میں دَورہ کرکے ایسی مؤثر خدمت کی کہ سینکڑوں کی تعداد میں لوگ خُداوند مسیح کے جھنڈے تلے آنے لگے۔ اس دَوڑ دھوپ کے ساتھ ہی ساتھ اپنی معلومات بھی بڑھاتے رہے۔ کُتب بینی کا شوق تو شروع ہی سے تھا۔ اکثر پسرور سے سیالکوٹ جاتے اور وہاں مشن کی لائبریری سے کتابوں کے ڈھیر کے ڈھیر اپنے ساتھ لے آتے اور چھان بین کرکے واپس چھوڑ آتے۔ اس زمانہ میں کئی ایک تصانیف آپ کے قلم سے نکلیں جن کا بیان آگے چل کر کیا جائیگا۔

چند سال پسرور میں خدمت کرنے کے بعد جھنگ بار میں بھیجے گئے۔ تین سال کے بعد پادری سوفٹ صاحب کی وفات پر مشن نے آپ کو گوجرانوالہ میں آنے کی دعوت دی اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر مقرر کیا۔ گوجرانوالہ سے سیالکوٹ کی سیمنری میں پروفیسری کی خدمت کے لئے بھیجے گئے اور وہاں چند سال تک تاریخ کلیسیا اور یونانی زبان پڑھاتے رہے۔ سیالکوٹ سے دوبارہ گوجرانوالہ میں تشریف لائے۔ اور قریباً چھبیس برس تک یہیں مقیم رہے۔ اور خدمت کرتے رہے۔

گوجرانوالہ میں جو جو خدمت آپنے انجام دی اس کا پھل آج

تک وہاں موجود ہے۔ دیہات میں تو یہ حالت تھی کہ گردہوں کے گروہ خداوند کے نام کا بپتسمہ لیتے تھے۔ انہوں نے خصوصیاً اُن ذاتوں کے درمیان کام کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی جنہیں ہمارے ہندو اور مسلمان بھائی اچھوت گردانتے ہیں۔ پادری ٹھاکرداس صاحب اُن چند مشنریوں میں سے ایک ہیں جو یو۔پی مشن میں "ماس موومنٹ" کے بانی قرار دئے جاتے ہیں۔ ان کی ہمدردی اور محبت تو ضرب المثل ہے۔ ان غریب دُکھیا لوگوں کے گھروں میں جانا۔ وہاں رہنا۔ ان کے ساتھ کھانا پینا۔ انہیں کا حُقہ پینا ان کا معمول تھا۔ ان باتوں سے ٹھاکرداس نے ان لوگوں کو فریفتہ کر لیا ❊

کارندے بھی اپنے ہادی کا نمونہ دیکھ کر ان کی تقلید کرتے تھے۔ کارندوں کے لئے ہر مہینے ایک کانفرنس کیا کرتے اور اُن کو کم از کم تین روز تک اپنے مکان میں رکھتے تھے۔ ہر کانفرنس میں چند ایک مضامین مقرر کر دیتے جن پر کارندے اپنے اپنے علاقہ میں جا کر جواب مضمون یا درس تیار کرتے اور آنے والی کانفرنس میں پڑھتے۔ مضامین ایسے ہوتے تھے۔ جن میں خاص بائبل کا مطالعہ کرنا پڑے۔ ان کے جواب مضمون سُن کر یہ اُن کی تصحیح کرتے۔ اس طریق سے قدرتی طور پر سب کے دلوں میں پاک کلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہو جاتا۔ اسی قسم کے چند ایک طریقے ہیں جن کو استعمال کرنے سے یو۔پی مشن نے اپنے کارندوں اور خادمان دین کی تیاری

میں وہ کامیابی حاصل کی ہے۔ جو پنجاب کی کسی اور مشن میں نظر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یو۔پی مشن نے "ماس موومنٹ" کے کام میں وہ نتیجے پیدا کئے ہیں۔ جن کو دیکھ کر دوسری مشنیں آفرین کہتی ہیں۔ خُدا کے کلام ہی میں وہ قوّت موجود ہے۔ جو گرے ہوؤں کو اُٹھائے۔ مفلسوں کو تونگر بنائے اور مصیبت زدوں کو راحت بخشے ❊

گوجرانوالہ میں رہ کر آپ نے کُچھ زمین خریدی اور دو کوٹھیاں تعمیر کیں۔ بعد میں ایک چھاپہ خانہ بھی کھولا۔ اور ایک مسیحی اخبار بعنوان کرسچن ایڈووکیٹ نکالا۔ جس میں مدت تک دیگر مذاہب کے ساتھ مناظرہ کا سلسلہ جاری رہا ❊

انہیں ایام میں امریکہ کے ایک دارالعلوم کی طرف سے آپ کی خدمت میں ڈی۔ڈی یعنی حکیم الٰہی کی ڈگری بطور اعزاز پیش کی گئی۔ لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ پُرانے زمانے کے سادگی پسند انسان تھے۔ ظاہری شان و شوکت اور بھڑک کا خیال نہ تھا۔ اپنے خُداوند ہی سے واسطہ تھا۔ اور اسی میں محو رہتے تھے ❊

کئی برس تک یو۔پی مشن کے تعلق میں خدمت کی اور اپنی عُمر کا سب سے قیمتی حصہ اُنہیں کے ساتھ صرف کر دیا۔ لیکن چند تنازعوں کے باعث اُن سے تعلق قطع کر کے ریفارمڈ پریسبٹرین مشن میں ملازمت اختیار کر لی۔ پھر انہیں بھی خیرباد کہا اور گوجرانوالہ

کو الوداع کہہ کر شہر فیروز پور میں چلے آئے۔ اور پاسبانی کی خدمت اختیار کی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں کی کلیسیا میں جان پڑ گئی۔ شرکا کا شمار بڑھ گیا۔ اتواری عبادت میں گرجا بھرنا شروع ہو گیا۔ چھاؤنی اور شہر کے تمام مسیحی اسی عبادت خانہ میں آنے لگے ؛

اس مبارک خدمت میں ایک ہی سال صرف کیا تھا کہ ڈاکٹر ویری صاحب کی طرف سے دعوت آئی کہ لدھیانہ میں آ کر اخبار "نور افشاں" کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ چنانچہ فیروز پور سے روانہ ہو کر بمع خاندان لدھیانہ پہنچے اور وہاں چند سال تک اخبار نویسی کی خدمت کو خوب نبھایا ؛

سنہ ۱۹۰۰ء میں امریکن پریسبیٹرین مشن نے آپ کو شہر لاہور میں طلب کیا کہ یہاں رہ کر تحصیل شرقپور میں بشارتی خدمت شروع کریں۔ اس علاقہ میں ان سے پیشتر کئی ایک مشنری صاحبان کام کھولنے کی کوشش کر چکے تھے۔ لیکن وہاں کے متعصب اور سنگدل باشندوں کی مخالفت کے سبب کوئی پیش نہ چلی۔ چنانچہ ۱۸۸۹ء میں ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر۔ یوئنگ صاحب بھی خدا کا کلام لے کر وہاں پہنچے تھے مگر وہاں کے کٹر باشندوں نے صاحب موصوف پر پتھروں کی بوچھاڑ کی اور اس جگہ قیام کرنے دیا ؛

پادری ٹھاکر داس صاحب تو اس میدان کے پرانے تجربہ کار پہلوان تھے۔ آن کی آن میں وہ علاقہ فتح کر لیا۔ خاص شرقپور

میں مشن احاطہ اور گرجا گھر کے لئے زمین بھی خریدی۔ اور کئی ایک گاؤں میں مسیحی جماعتیں نظر آنے لگیں ؛

اس کے ساتھ شہر لاہور میں بھی غریب محلوں میں جا کر کام کرنا شروع کیا۔ اور بہت سے خاندان خداوند کی کلیسیا میں شامل ہوئے۔ سنہ ۱۹۰۷ء میں ہیرامنڈی میں ایک باقاعدہ کلیسیا قائم کی اور آپ خود اس کے پہلے پاسبان مقرر ہوئے۔

پادری ٹھاکر داس صاحب کی خدمات کا بیان کرتے ہوئے اُن کی تصنیفات کا ذکر کرنا لازمی ہے۔ اگر آپ کو مناظرہ کے میدان کا شیر افگن کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ آپ کی کل تصنیفات شمار میں چھتیس کے قریب ہیں جن میں سے اکثر اسلام کے متعلق ہیں۔ مشہور تصنیفات اور رسالہ جات کے نام حسب ذیل ہیں :-

اظہار عیسوی۔ دید مذہب کا آغاز۔ حکمت الالہام۔ عدم ضرورت قرآن۔ سیرت المسیح والمحمد۔ انجیل یا قرآن۔ بائبل اور سائنس۔ بینات یسوع ناصری۔ آواگون۔ ستیارتھ پرکاش درپن وغیرہ ؛

آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق انگریزی زبان میں لکھا جس میں اہل قادیان کے اس دعوےٰ کی تردید کی کہ خداوند مسیح کی قبر کشمیر میں موجود ہے مرزا صاحب کے حامیان نے ایک رسالہ اس مضمون پر انگریزی زبان میں بعنوان "دی گریٹیسٹ ڈسکوری" شائع کیا تھا۔ پادری صاحب موصوف نے اس کے جواب میں دی گریٹیسٹ ڈسکوری

ایکسپلوڈڈ نام کا رسالہ شائع کیا جو مکمل طور پر اس دعوے کی تردید اور تکذیب کی ؛

پادری ٹھاکر داس صاحب اُن چند بزرگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی خدمات کے وسیلے پنجاب کی کلیسیا کو اپنا ممنونِ احسان بنایا۔ اپنی خداداد قابلیت کے وسیلے خود محبت کر کے عزت اور رسوخ پیدا کیا ؛

ان کی طبیعت میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بڑوں میں بڑے اور بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔ عالمِ ضعیفی میں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے ساتھ کرکٹ اور فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ ظریف بھی اول درجہ کے تھے۔ محفلوں میں لطیفہ گوئی سے سامعین کو ہنسا ہنسا کر حیران کر دیتے تھے۔ وقت کی بڑی قدر کرتے تھے۔ گھر میں کبھی فضول باتوں میں وقت صرف نہ کرتے تھے۔ جب دیکھو کتاب ہاتھ میں ہوتی تھی۔ کتاب سے تھک گئے تو کوئی اور مفید شغل شروع کر دیا۔ غرض اسی طرح یہ مردِ خدا مصروفیت میں اپنے دن صرف کر گئے ؛

۱۹۰۹ء میں ایک دفعہ جاڑے کے موسم میں دورہ کرتے ہوئے بارش میں بھیگے۔ سردی اپنا اثر دکھا گئی۔ گھر واپس آ کر مرض پلورسی میں مبتلا ہو گئے۔ پھر اُس کے بعد پلنگ سے نہ اُٹھے۔ کئی مہینوں تک شدت کا دکھ اُٹھایا۔ دوستوں اور رشتہ داروں نے غذا ...ہم ... بہت کوشش کی۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ جسم کمزور ہوتا گیا ؛ اور اس کے ساتھ ہی دو تین مہلک مرضوں نے آ دبایا۔ آخر

مؤرخہ ۲۱ر جنوری ۱۹۱۰ء کو اپنی اہلیہ اور بچوں کو بلا کر الوداع کہا۔ اور خداوند کے پاس پہنچ گئے ؛

"پر اہلِ دانش فلک کی چمک کی مانند چمکینگے اور وہ جن کی کوشش سے بہتیرے صادق ہو گئے۔ ستاروں کی مانند ابد آباد تک" ؛

پادری رلارام

رستم رہا زمین پہ نہ سام رہ گیا
مردوں کا آسماں کے تلے نام رہ گیا

خداوند یسوع مسیح کے سنہری تاج میں آج بہت سے ہندوستانی موتی چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنی اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ ان میں رلارام بھی بحرِ شجاعت کے دُرِ یتیم اپنی چمک دکھا رہے ہیں۔

غدر ۱۸۵۷ء کے ایام میں ضلع ہوشیارپور کے مشہور گاؤں گھوڑے واہا میں پیدا ہوئے۔ باسدیو برہمنوں کے خاندان سے تھے۔ آپ کے والد ایک متمول زمیندار تھے۔ مال مویشی اناج کی بہتات تھی۔ لیکن دُنیوی اقبالمندی کے ساتھ اول درجہ کے خدا پرست اور دھرمی شخص تھے۔ حیوانوں اور جانداروں کا بڑا پاس کرتے تھے۔ رلارام ہر روز اپنے والد کے ہمراہ مندر میں جایا کرتے۔ دیسی پرگاؤں کے تمام کتے ان کے دروازہ پر جمع ہو جاتے۔ اور یہ اُن کو روٹی دیا کرتے۔ پھر چھت پر چڑھ کے پرندوں کو دانہ ڈالتے۔ بچپن ہی سے اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کا خیال اُن کے دل میں جڑ پکڑ گیا۔

رلارام اپنے باپ کے ایک ہی بیٹے تھے۔ جو نہ تگ اجل کا شکار نہ ہوئے۔ اور اس لئے ماں باپ کے بہت لاڈلے تھے۔ باپ نے اپنے بیٹے کا نام بھی خوب چُنا۔ "رلارام"۔ جس کے معنی ہیں۔ رام سے رلا ملا ہوا۔ رفتہ رفتہ رلارام رام سے ایسے رل مل گئے۔ کہ دُنیا کی عزت و دولت اور محبت کو خیرباد کہا۔

ڈاکٹر کے۔ سی چیٹرجی صاحب جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس وقت ضلع ہوشیارپور میں خدمت کر رہے تھے۔ کبھی کبھی دورہ کرتے ہوئے گھوڑے واہا میں بھی آ نکلتے۔ رلارام اُن کی شخصیت سے نہایت متاثر ہوئے۔ گھنٹوں ہی اُن کے پاس بیٹھ کر دینی گفتگو کیا کرتے اور بڑے شوق سے انجیل کا مطالعہ کرتے۔ دینی کتابیں اپنے گھر لے جاتے۔ رات کے وقت چھپ کر ان کو پڑھا کرتے اور دن کو انہیں چٹائی کے نیچے چھپا دیتے۔ الغرض اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ مخفی طور پر خداوند مسیح کے شاگرد بنینگے۔ خداوند یسوع مسیح کے وہ الفاظ کہ "اے تم لوگو جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو۔ سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دونگا" آپ کو بہت پیارے معلوم ہوتے تھے۔

اس اثنا میں آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور اُن کے غم میں کچھ عرصہ تک مسیحیت کا خیال دل سے نکل گیا لیکن پھر خداوند یسوع کے وہ الفاظ بڑی بے چینی پیدا کرنے لگے کہ جو کوئی

آدمیوں کے سامنے میرا انکار کریگا۔ میں بھی اپنے آسمانی باپ کے سامنے اُس کا انکار کرونگا۔ آخر فیصلہ کیا کہ بپتسمہ حاصل کرکے علانیہ طور پر اپنے نجات دینے والے خداوند مسیح کا اقرار کرینگے ۔

آپ کی والدہ نے جب یہ خبر سنی تو حیرت سے نقش دیوار بن گئیں۔ بدن میں مطلق حس و حرکت نہ رہی۔ ہوش میں آئیں تو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ عجب حال بنایا۔ کہ دیکھنے سننے والوں کا دل پھٹ جاتے۔ تمام لواحق یہ بات سن کر تعزیت کے لئے آنے لگے۔ پہلے تو سب نے مل جل کر رلارام کو سمجھایا پھر دھمکیاں دینے لگے۔ اور برادری سے خارج کردیا۔ اس شیر دل جوان نے کسی بات کی بھی مطلق پرواہ نہ کی اور علانیہ مسیحیوں کے ساتھ ملنا جلنا شروع کر دیا ۔

قصہ کوتاہ بپتسمہ کا دن آ پہنچا اور پادری چیٹرجی صاحب خود اس کام کے لئے گاؤں میں آ گئے۔ عبادت کے وقت تمام لوگوں نے آکر وہ چھوٹا سا دیہاتی گرجا گھیر لیا۔ رلارام کی والدہ تو گرجا کی دہلیز پر گر پڑیں۔ اور اپنا ماتھا پھوڑ لیا۔ لوگ اُن کو اُٹھا کر وہاں سے لے گئے۔ رلارام نے اپنے ایمان کا ثبوت دیا۔ اور بڑی جوانمردی کے ساتھ خداوند کے نام کا بپتسمہ لیا۔ لیکن برادری والوں نے ایسا تنگ کیا کہ اُن کو لاچار اپنے گاؤں سے بھاگنا پڑا اور سیدھے ہوشیارپور میں ڈاکٹر چیٹرجی صاحب کے بنگلہ پر آئے۔ اس فرشتہ

سیرت بزرگ نے انہیں بہت پیار کیا اور بچوں کی طرح اپنے گھر میں رکھا۔

چند دنوں کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے انہیں الہیات کی تعلیم کے لئے سہارنپور بھیج دیا۔ جہاں تین سال تک رہ کر آپ نے بڑی محنت سے خداوند کی خدمت کے لئے تیاری حاصل کی ۔ اس تعلیم کے اختتام پر آپ ہوشیارپور واپس آئے اور ایک سال تک اسی جگہ بشارتی خدمت کرتے رہے ۔

اتنے میں راولپنڈی کی کلیسیا کی طرف سے بلاہٹ آئی کہ ہمارے پاس آیئے اور پاسبانی خدمت انجام دیجئے۔ رلارام نے اسے تائید ایزدی سمجھا اور اپنے دوستوں سے رخصت ہوکر راولپنڈی جا پہنچے۔ یہاں خدا کے فضل سے ایسی خدمت کی اور وہ وہ وعظ سنائے۔ کہ اہل راولپنڈی آپ کو آج تک یاد کرتے ہیں۔ اس جگہ کام کرتے ابھی دو ہی سال ہوئے تھے۔ کہ راولپنڈی کا علاقہ یونائیٹڈ پریسبٹیرین مشن نے لے لیا۔ اور رلارام پاسبانی خدمت کے لئے ڈیرہ دون چلے آئے ۔

ڈیرہ دون پہنچ کر جو کامیابی آپ نے اس مبارک خدمت میں حاصل کی وہ نہایت قابل تعریف ہے ۔ ڈیرہ دون کی مسیحی مایوسی بہت پھیلی ہوئی تھی ۔ چنانچہ آپ ہر روز گھوڑے پر سوار ہوکر سفر فاصلہ طے کرتے اور گھر گھر جا کر لوگوں سے ملاقات کرتے ہفتہ میں ایک دفعہ چھاؤنی تشریف لے جاتے ۔ اور وہاں ایک دیندار کرنیل

کے احاطہ میں عبادت کرتے۔ باقاعدہ طور پر بازار میں منادی کے لئے جاتے۔ آپ کی منادی سے غیر مسیحی خصوصاً بہت متاثر ہوتے +

پادری رلارام اپنے زمانے کے واعظ کامل تھے۔ آپ کے طرز کلام میں حد درجہ کی سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ آپ کی نکتہ فہمی مشہور تھی۔ ایسی صفائی اور سادگی کے ساتھ پاک کلام کی عمیق صداقتوں کا بیان کرتے تھے۔ کہ بڑے چھوٹے سب اُن کی باتوں کو سمجھ لیتے اور فائدہ اٹھاتے۔ وعظ کی تیاری میں بہت سا وقت صرف کرتے تھے۔ آپ کے دو وعظ نہایت مشہور ہیں جو ذیل کی ہندی آیات پر کہے +

"کیونکہ زندہ رہنا میرے لئے مسیح ہے اور مرنا نفع"۔ فلپی ۱:۲۱۔

"اور ہم کو معلوم ہے کہ سب چیزیں مل کر خدا سے مُحبّت رکھنے والوں کے لئے بھلائی پیدا کرتی ہیں"۔ رومی ۸:۲۸ +

اپنے ایک دولتمند ہندو دوست کے گھر میں جن کا نام لالہ بلدیو سنگھ تھا۔ ہفتہ وار ایک جلسہ کیا کرتے تھے۔ جس میں شہر کے کئی ایک معزز ہندو اور مسلمان احباب تشریف لاتے۔ اور بڑی دلچسپی سے حصّہ لیتے۔ ان کا آپس میں یہ سمجھوتا تھا کہ کسی مذہب کی توہین نہ کی جائے۔ اور کوئی بات بھی ایسی نہ کہی جائے جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ لالہ بلدیو سنگھ نے گو خود کبھی خداوند مسیح کا اعلانیہ اقرار نہیں کیا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ آسمان کی بادشاہت کے

بہت نزدیک تھے۔ غالباً انہیں جلسوں کے دوران میں لالہ موہن لال صاحب نے خداوند مسیح کو قبول کیا۔ جو فی الحال آگرہ میں ایک سرکردہ مسیحی ہیں +

۱۸۹۷ء میں آپ کی رفیقہ زیست اس جہان فانی سے کوچ کر گئیں۔ پانچ بچے چھوڑ گئیں۔ جن میں سے ایک دُودھ پیتی ننھی بچی تھی۔ ہمارے بزرگ کے لئے تو اس وقت دُنیا تاریک ہو گئی مصیبت کا پہاڑ سر پر آ پڑا۔ ایک طرف تو پاسبانی فرائض ہیں۔ دوسری طرف بچوں کی پرورش ہے۔ خیر کچھ عرصہ کے بعد بچاری چھوٹی بچی تو اپنی ماں کے پاس جا پہنچی۔ اور چار بچے باقی رہ گئے جن میں سے تین لڑکے تھے اور ایک لڑکی۔ آپ کی تنخواہ اتنی نہ تھی کہ فارغ البالی سے ساتھ گذارہ کر سکیں۔ تو بھی خود تکلیف گوارا کر کے اپنے بچوں کو تعلیم دلوائی۔ رفتہ رفتہ ان میں سے تین کالج میں داخل ہوئے اور بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے بچے ہمیشہ بڑی شکر گذاری کے ساتھ آپ کی اس قربانی کا بیان کیا کرتے ہیں +

ڈیرہ دون میں پندرہ سال تک آپ نے بڑی تن دہی کے ساتھ کام کیا۔ یہاں کی جماعت آپ کو بہت پیار کرتی تھی۔ اور ان کے دل میں بھی ان کے لئے بڑی محبت تھی۔ لیکن بدقسمتی سے اس وقت کلیسیا میں دھڑے بازی شروع ہو گئی۔ اور رلارام بڑے دُکھے ہوئے دل کے ساتھ ڈیرہ دون کو الوداع کہہ کر رُخصت ہوئے اور

انبالہ شہر میں تشریف لے آئے ٭

یہاں رہ کر تین سال تک پاسبانی خدمت کرتے رہے اور پھر جالندھر شہر کی کلیسیا کی درخواست پر آپ وہاں جاکر پاسبان کے عہدہ پر ممتاز ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کلیسیا کے اندر نئی زندگی پیدا ہوگئی۔ حقیقت میں یہ بلاہٹ خداوند کی طرف سے تھی۔ اُنیس برس تک متواتر وفاداری کے ساتھ خدمت کرتے رہے۔ ہر اتوار کو بڑی تیاری کے بعد کلیسیا کے سامنے خداوند کی طرف سے پیغام پیش کرتے اور ساتھ ہی بازاروں اور جالندھر شہر کی بستیوں میں جاکر بشارت دیتے ٭

آپ کے زمانۂ پاسبانی میں یہاں کے گرجا گھر کی عمارت کو نہایت شاندار بنایا گیا۔ سنگ مرمر کا عمدہ فرش لگوایا۔ اس کے ساتھ پاسبان کی رہائش کے لئے نیا مکان بنوایا۔ بہت جلد کلیسیا اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی۔ اور بیرونی مدد کی محتاج نہ رہی۔ لوگوں میں یہاں تک جوش پیدا ہُوا۔ کہ کلیسیا کے اخراجات بہم پہنچانے کے علاوہ ایک نیا انڈومنٹ فنڈ کھولا تاکہ آیندہ ضرورت کے وقت کام آئے ٭

یہ پادری رلارام صاحب کی کوشش کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ جالندھر کی کلیسیا نے ہوم مشن کو شروع کیا۔ اور نزدیک کی بستیوں اور محلوں میں بشارتی خدمت کا انتظام کیا۔ عرضیکہ آپ کی رہنمائی سے ہر صیغہ میں بہت ترقی ہوئی۔

آپ کا معمول تھا کہ صبح سویرے اُٹھتے اور چائے وغیرہ پی کر عبادت میں مشغول ہوتے۔ کئی گھنٹوں تک خداوند کے حضور گھٹنے ٹیکے رہتے۔ عبادت سے الفراغ حاصل کرکے قریباً دس بجے شہر کا دورہ لگاتے اور کئی جگہ ٹھہر کر خداوند مسیح کے نام کی گواہی دیتے۔ دوپہر کو واپس آکر غسل فرماتے۔ اور کچھ ناشتہ کرکے دو تین گھنٹے آرام کرتے تیسرے پہر اُٹھ کر کتب بینی شروع کردیتے۔ اور مختلف اخباروں کا مطالعہ کرتے۔ شام کے وقت اپنی کلیسیا کے ممبروں اور دیگر مسیحیوں سے ملاقات کرنے کے لئے نکل جاتے۔ شام کا کھانا کھاکر پھر دُعا اور عبادت میں مصروف ہوجاتے۔ اور بعض وقت آدھی رات تک اپنی کلیسیا کو خداوند کے سامنے پیش کرتے رہتے۔ پاسبانوں کے لئے تو پادری صاحب موصوف کی زندگی ایک نہایت اعلےٰ نمونہ ہے ٭

۱۹۲۴ء میں آپ کی صحت میں کچھ فتور پیدا ہونا شروع ہوا نہایت بہت کمزور ہوگیا اور کام کرنے کے لائق نہ رہے۔ کلیسیا میں کچھ ایسے جھگڑے شروع ہوگئے جن سے ان کے دماغ کو بہت صدمہ پہنچا۔ چنانچہ خدمت سے سبکدوش ہوکر آپ انبالہ تشریف لے گئے۔ لیکن دن بدن حالت [illegible] ہوتی گئی۔ آخری دنوں میں آپ کی بیٹی نے تن توڑ کر آپ کی تیمارداری کی۔ لیکن خداوند کو یہی منظور تھا۔ کہ اب اپنے اس بہادر سپاہی کو اپنے پاس بُلالے اور ابدی آرام میں داخل کرے۔ ۱۹۲۵ء میں ایک روز اپنے ایک وفادار نوکر کو بُلایا اور بغلگیر